باری علیگ مرحوم

مکتبۂ کارواں
کچہری روڈ ○ لاہور

ناشر: چوہدری عبدالحمید ایم اے
مطبع: مسعود پرنٹرز، لاہور
تعداد: ایک ہزار
کتابت: انور حسین تلمیذ سید نفیس رقم

فہرست

حرفِ آغاز

باری علیگ مرحوم ادیب، صحافی، مورخ، نقاد اور کئی زبانوں کے عالم تھے۔ انہوں نے اس وقت لکھنا شروع کیا جب ہمارے یہاں ادب اور صحافت کے راستے الگ نہیں ہوتے تھے۔ اس لیے انہوں نے بحیثیت ادیب زیادہ شہرت حاصل کی۔ اگرچہ انہوں نے اپنی تصانیف "کمپنی کی حکومت" "تاریخ کا مطالعہ" اور "انقلاب فرانس" کی بلند پایہ اور مستند حیثیت کے باعث بطور مورخ بھی اپنا لوہا منوالیا۔ مگر بحیثیت مورخ ان کی مکمل شخصیت بوجوہ منظرِ عام پر نہ آسکی۔ ناسازگار حالات کے باعث وہ آخری دم تک قلم کی مزدوری کرتے رہے اور خارزارِ صحافت میں ادھر اُدھر گھومتے رہے۔ انہوں نے تاریخ عالم کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا اور فلسفۂ تاریخ کو بہت اچھی طرح سمجھا تھا۔ موت نے انہیں اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اپنے مطالعۂ تاریخ کو منظم اور مربوط صورت میں منظرِ عام پر لا سکتے حالانکہ وہ اپنی اس کاوش کو کارنامہ کے طور پر پیش کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے عالمی تاریخ کے طویل مطالعہ کے بعد "تاریخ و تہذیب" کے زیرِ عنوان ہر دور کی عالمی "تاریخ و تہذیب" کا جامع تنقیدی جائزہ پیش کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اور بہت سا کام مکمل کر لیا تھا۔ مگر ۱۹۴۹ء میں ان کی بے وقت موت سے نہ صرف یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ بلکہ مکمل شدہ کام کا بہت سا

حصّہ بھی ضائع ہوگیا۔ مرحوم کے لواحقین عرصے تک شدتِ غم سے نڈھال رہے اور مرحوم کا ذخیرۂ کتب اور کئی مسودات ان کے دوستوں اور تعلق داروں میں تقسیم ہوگئے افراتفری میں "تاریخ و تہذیب" کے مسودہ کا بیشتر حصّہ بھی ضائع ہوگیا۔ مسودہ کا درمیانی حصّہ بعنوان "اسلامی تاریخ و تہذیب" کسی نہ کسی طرح محفوظ رہا مگر غیر مربوط صورت میں اسے اگرچہ بڑی محنت اور احتیاط سے مربوط کیا گیا ہے۔ تاہم اگر قارئین ربط میں کوئی خامی محسوس کریں تو اسے باری علیگ مرحوم کی نہیں میری کوتاہی سمجھا جائے۔

باری علیگ مرحوم کو ان کے ہمعصروں نے اشتراکی ادیب قرار دیا تھا۔ اِس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ مرحوم نے بطور حسّاس ادیب اور مورخ کے سامراجی طاقتوں کے ہاتھوں وسیع پیمانے پر قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ کو شدّت سے محسوس کیا تھا برصغیر کے استحصال کا تو انہوں نے مشاہدہ بھی کیا تھا۔ تاریخ دان کے طور پر انہوں نے قوموں کے زوال کے اسباب کو بھی اچھی طرح سمجھا تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں روس میں اس نظام کو قائم ہوتے دیکھا جس نے اپنی کوتاہیوں سے قطع نظر سامراجیت کو للکارا تھا اور اس سے پیدا ہونے والی گوناگوں لعنتوں کو ختم کرنے کا دعویٰ کیا تھا۔ اس لیے مروّجہ اصطلاح میں ان کا اندازِ فکر ترقی پسندانہ تھا۔ مگر اصل میں ان کی یہ ترقی پسندی عصرِ حاضر کے حالات و واقعات اور تاریخ کے تنقیدی اور تجزیاتی جائزہ سے عبارت تھی۔ چونکہ ان کا اصل کارنامہ دستبردِ زمانہ کی نذر ہوگیا۔ اس لیے اصل باری علیگ بھی نظروں سے اوجھل رہے۔ "اسلامی تاریخ و تہذیب" کے مطالعہ سے اصل باری علیگ کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ انقلاب فرانس اور کمپنی کی حکومت وغیرہ کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ باری علیگ تاریخ کی مادی تعبیر و توجیہہ کے قائل ہیں۔ لیکن تاریخ کے گہرے مطالعہ سے ان کے نقطۂ نظر میں حتمی تبدیلی آ گئی تھی۔

ان کے نزدیک "اسلام تاریخ عالم کا ایک حیرت انگیز اور اہم ترین باب ہے۔
سلام نے نہ صرف عربوں کی کایا پلٹ دی بلکہ اس نے نوعِ انسانی پر بہت بڑا
حسان کیا۔ اسلام نے علم کو عوام کی ملکیت بنا دیا۔ اس نے انسان اور خدا میں
راہ راست رشتہ قائم کیا تھا۔ اسلام نے عوام کو ذہنی اور اخلاقی پستی سے نکال کر انہیں
تہذیب و تمدّن کی رفعتوں تک پہنچا دیا" چنانچہ ان کے نزدیک مسلمانوں کی فتوحات
کے محرکات مادی نہیں تھے بلکہ ان کے سامنے بلند اور پاکیزہ نصب العین تھا۔
ن کی "فتوحات نے ایک ممتاز، نمایاں اور بہتر تہذیب کی بنیاد ڈالی" اسلامی سپہ سالار
عقبہ بن نافع نے جب اپنا گھوڑا بحر اوقیانوس میں ڈال دیا تھا اور آسمان کی طرف
تھ اٹھاتے ہوئے کہا تھا کہ "اے خداوندا اگر یہ سمندر حائل نہ ہوتا تو میں اس سے بھی
ور دراز ملکوں میں تیرے نام کی عظمت پھیلاتا۔" تو اس کے پیچھے کوئی دنیاوی غرض
پوشیدہ نہیں تھی۔

فتوحات تاتاریوں نے بھی کی تھیں۔ مگر ان کی اور مسلمانوں کی فتوحات کے مقاصد
یں زمین آسمان کا فرق تھا۔ مسلمانوں نے دنیا کو بہتر اور نئی تہذیب دینے کے ساتھ
ساتھ علم سائنس اور فن کی روشنی بھی دی۔ مسلمان مفکروں کی کتابوں نے یورپ میں
س نئی علمی سرگرمی کو شروع کیا جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے"۔ مگر تاتاریوں کی
فتوحات نے دُنیا کو کیا دیا؟ انہوں نے "مغربی ایشیا کی شاداب وادیوں کو
ویرانوں میں بدل دیا۔ فرغانہ۔ خوجند۔ بخارا۔ سمرقند۔ ہرات رے اور کئی دوسرے
شہر تباہ ہو گئے"۔ مسلمانوں نے ہسپانیہ فتح کیا تھا تو اس کی کایا پلٹ دی تھی۔ لوگوں
کی زندگیاں بدل دی تھیں۔ ملک میں علم و فضل کے دریا بہا دیتے تھے۔ مگر یہی
ہسپانیہ مسلمانوں سے چھیننے والوں کے پیشِ نظر کوئی قابلِ فخر مقصد نہیں تھا۔ کیونکہ
انہوں نے عقل و دانش کے مشعل بردار وں۔ تہذیب و تمدّن کے معماروں علوم و فنون

کے سرپرستوں اور صنعت و حرفت کے ماہروں کو آگ میں پھینک دیا"۔ اور" وحشیوں نے تہذیب کے اس قافلے کو لوٹ لیا جس میں ابنِ ماجہ، ابنِ طفیل اور ابنِ رشد اپنی بغلوں میں فلسفے کی کتابیں دباتے ہوئے سفر کر چکے تھے"۔

مسلمانوں نے علم و حکمت، سائنس اور فن کی ترقی میں جو حصّہ لیا، وہ ان کے نزدیک ان کی فوجی فتوحات سے کم اہم نہیں ہے۔ بغداد اور غرناطہ نے علمی اور تہذیبی ترقی میں جو حصّہ لیا وہ تہذیب کے ارتقاء میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ باری علیگ نے اسلامی عہد کی بعض تحریکوں کا جائزہ صرف مورّخ کی حیثیت سے نہیں لیا، بلکہ ان کو مفکر کی نظر سے بھی دیکھا ہے۔ مامون الرشید نے اعتزال کی جو تحریک چلائی تھی وہ ان کے نزدیک صرف اس لیے غیر مستحسن نہیں کہ یہ تحریک غیر ان خرابہ پر منتج ہوئی تھی بلکہ اس لیے بھی قابلِ اعتراض ہے کہ یہ تحریک آزاد خیالی کے نام سے چلائی گئی تھی۔ آزاد خیالی کے کچلنے کا ایک حربہ بن گئی۔ اسی طرح وہ صلیبی جنگوں کا ذکر ایک مورّخ کی حیثیت سے کرتے ہیں مگر ایک مفکر اور تاریخ و تہذیب کے طالبِ علم کی حیثیت سے ان کے نزدیک "آخری صلیبی جنگ کا آخری دن نئے یورپ کا پہلا دن ہے"، اس لیے کہ ان جنگوں کے نتیجہ میں تھے۔ تاریکی میں ڈوبے ہوئے یورپ پر علم کا سورج بھی طلوع ہوا۔

ان اقتباسات اور اس پوری کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ باری علیگ کا اندازِ فکر اشتراکی نہیں، حقیقت پسندانہ، منطقی اور تجزیاتی ہے۔ چنانچہ اس مختصر سی کتاب کے مطالعہ سے تاریخِ عالم کے حیرت انگیز اور اہم ترین باب کو زیادہ صحیح طور پر سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ چوہدری عبدالحمید شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کی وساطت سے باری علیگ مرحوم کی وفات کے ۲۱ سال بعد تاریخ و تہذیب کا ایک حصّہ منظرِ عام پر آ رہا ہے۔

مسکین علی حجازی، جون ۱۹۷۰ء

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

دیباچہ

مولانا غلام رسول مہر

مرحوم باری علیگ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، انہوں نے عملی زندگی کے بالکل ابتدائی دَور ہی میں ایسی شہرت حاصل کر لی تھی جو اکثر ادیبوں کو پورا دَورۂ حیات گزار چکنے کے بعد بھی کمتر ہی نصیب ہوتی ہے۔ مرحوم کو مختلف علوم سے گہری دلچسپی تھی، لیکن جس حد تک میں اندازہ کر سکا ہوں، تاریخ کا مطالعہ ہی ان کے لیے مختلف علوم سے دلچسپی کی اصل بنیاد تھا اور تاریخ ہی در اصل ان کی تحریر و نگارش اور فکر و نظر کا خاص موضوع تھی۔ میرا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ وہ تاریخ پر ویسی ہی کتابیں لکھنا چاہتے تھے، جیسی اُن سے بیشتر لکھی جا چکی تھیں۔ بلکہ انہوں نے تاریخ کے مطالعے سے جو سبق حاصل کیے تھے، انہیں مختلف شکلوں اور پیرایوں میں پیش کرنا چاہتے تھے تاکہ وُہ تمام اصحاب کو صحیح منزل کی طرف حرکت میں لانے کا ذریعہ بن جائیں۔

مرحوم کی تصانیف میں سے "کمپنی کی حکومت" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کتاب ہمارے وطنِ عزیز میں ان گوناگوں ہتھکنڈوں کا ایک عبرت انگیز مرقع تھی جن سے برطانوی سامراج نے ابتدائی دَور میں کام لیا، لیکن اس سے محض داستان سرائی مقصود نہ تھی، یہ ہم سب کے لیے راہِ عمل کی ایک مؤثر دعوت تھی جس کی اس زمانے میں اشد ضرورت تھی۔ جب یہ کتاب منظرِ عام پر آئی تھی،

نیز تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے نوجوانانِ ملک وملت کے لیے ایک عمدہ نمونہ بھی
تھی تاکہ آئندہ خدمتِ وطن وانسانیت کے لیے کس انداز واسلوب کی کتابیں
تصنیف ہونی چاہئیں، مطلب یہ کہ یہی ضروری نہیں جو معلومات اب تک منظرِ عام
پر نہیں آئیں ان کے چہرے سے پردہ ہٹا دیا جائے اور خالی خلانے پُر کر دیئے
جائیں۔ بلکہ کتابیں ایسے انداز میں لکھنے کی ضرورت ہے کہ جو بھی پڑھیں ان
میں نئی روح پیدا ہو۔ ان کے خوابیدہ احساسات جاگ اُٹھیں اور ان میں زبردست
جوشِ عمل پیدا ہو جائے جو رفتہ رفتہ اجنبی اقتدار کے خلاف ایک ہمہ گیر طوفان
کی شکل اختیار کرلے۔

مرحوم نے زندگی میں اور بھی کتابیں شائع کیں، ان کی اچانک وفات کے
باعث ہم ایک پرجوش، مخلص، حقیقت شناس اور پختہ کار صاحبِ عقل کے
افادات سے محروم ہو گئے۔

اب ان کی ایک تصنیف کا نامکمل مسودہ ملا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ انہوں
نے تاریخِ عالم کے گہرے مطالعے کے بعد ایک منصوبہ تجویز کیا تھا، جس کے مطابق
وُہ "تاریخ و تہذیب" کے زیرِ عنوان ہر دَور کی عالمی تاریخ و تہذیب کا جامع
اُستفادی جائزہ پیش کرنا چاہتے تھے، افسوس کہ دستِ اجل نے یہ منصوبہ مکمل
نہ ہونے دیا، اس کا صرف ایک حصہ وہ مرتب فرما سکے۔

جو مسودہ کتابی شکل میں منظرِ عام پر رہا ہے، اس میں اسلامی تاریخ کے
مختلف دَوروں کی داستان آگئی ہے، مَیں کم فرصتی کے باعث پُورا مسودہ
نہ دیکھ سکا۔ کتاب طباعت کے آخری مراحل میں پہنچ چکی تھی۔ نہ میرے لیے
فوری مصروفیتوں سے زیادہ فرصت نکالنا ممکن تھا اور طباعت کی تکمیل
میں توقف کسی بھی اعتبار سے مناسب معلوم ہوتا تھا، میں بہ مشکل یہ چند

سطریں اصل کام کی سرسری توضیح کے لیے لکھ سکا۔

میری دلی خواہش ہے کہ باری مرحوم کا یہ نقش جسے بہر حال نقش ناتمام ہی سمجھا جا سکتا ہے، زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں پہنچے اور زیادہ سے زیادہ دلوں میں جگہ پاتے۔ آمین! ثم آمین!!

مسلم ٹاؤن لاہور
۱۵ ستمبر ۱۹۷۰ء

اغلاط

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹	۷	عرب ملک	ملکِ عرب
۴۱	۱۲	فاصدع بما تومر	فاصدع بما تؤمر
۴۸	۱۷	بن عمر	بن عمیر
۴۹	آخری سطر	بنو نفیر	بنو نضیر
۶۶	۱	حج	حج
۷۵	۱	لوگوں نے	لوگوں سے
۷۸	۳	سنی	سنسنی
۱۰۸	۶	بہت	متعدد
۱۲۵	۶	تاماریوں	تاتاریوں
۱۲۹	۴	ہر دہ	ہر دہ شے جو
۱۳۴	آخری سطر	جنوب	جنوب میں
۱۵۶	۱۹	معرکے	معرکے نے
۱۶۵	۱۶	ادا کرنا	ادا کرتا
۱۷۰	۱۱	توکتامیش	تقتمش

پہلا باب

عرب قبل از اسلام

شکل و شباہت کے لحاظ سے ملک عرب ایک وسیع و عریض مستطیل جزیرہ نما ہے جس کو عام الفاظ میں جزیرہ نمائے عرب کہا جاتا ہے۔ لغوی اعتبار سے لفظ "عرب" کے معنے فصاحت اور زبان آوری کے آتے ہیں اور عرب اپنی زبان کی فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے اپنے آپ کو عرب اور دنیا کی تمام اقوام کو عجم کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ لہٰذا اس جزیرہ نما کا نام "عرب" پڑنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔

چند مورخین کی رائے ہیں اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ لفظ "عرب" دراصل عربہ سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے دشت و صحرا۔ چونکہ عرب ملک کا غالب حصہ دشت و صحرا پر مشتمل ہے لہٰذا اس اعتبار سے اس کا نام عرب پڑا۔

جزیرہ نما کے مشرق میں خلیج فارس اور بحر عمان، مغرب میں بحر قلزم یا بحر احمر اور نہر سویز، شمال میں عراق اور شام کے ملک اور جنوب میں بحر عرب یا بحر ہند ہے ملک عرب کا بیشتر حصہ ریگستان اور صحرا ہے۔ حدِ نگاہ تک ریت ہی ریت دکھائی دیتی ہے طول تقریباً پندرہ سو میل اور عرض چھ سو میل ہے۔ اس طرح مجموعی رقبہ تقریباً بارہ لاکھ مربع میل بنتا ہے جس میں چار لاکھ مربع میل سے زائد رقبہ خالص ریگستانی اور غیر آباد ہے

بحیرۂ احمر کی طرف سے آنے والی ہوائیں اپنے ساتھ پانی لاتی ہیں۔ یہ ہوائیں عرب کے اندرونی حصّوں تک نہیں پہنچتیں۔ حجاز کے بعض حصّوں میں بارش ہوتی ہے۔ یہ بارش سبزہ پیدا کرتی ہے۔ شمالی حجاز میں کہیں کہیں نخلستان ہیں۔ بڑے سے بڑے نخلستان کا رقبہ دس مربع میل سے زیادہ نہیں۔ یمن اور عسیر میں زیادہ بارش ہوتی ہے جس سے یہ علاقے سرسبز اور شاداب ہیں۔ یمن کی راجدھانی صنعا سطح سمندر سے سات ہزار فٹ اونچی ہے۔ صنعا، عرب کے صحت افزا اور خوبصورت شہروں میں سے ایک ہے عرب کا ایک دریا بھی ایسا نہیں جو سارا سال بہنے کے بعد سمندر میں گرتا ہو۔ اس کے کسی دریا میں کشتی رانی نہیں ہو سکتی۔ حجاز میں کھجور کثرت سے ہوتی ہے۔ یمن اور چند ایک نخلستانوں میں گندم پیدا ہوتی ہے۔ جَو کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ یمن میں چودھویں صدی عیسوی سے قہوہ کی کاشت جاری ہے۔ طائف میں پھلوں اور سبزیوں کی کثرت ہے۔ عرب میں پیدا ہونے والے نباتات میں کھجور کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ عربوں کی معاشری زندگی میں کھجور ایک بہت بڑا جزو ہے (اب اس خطہ میں تیل کی بدولت معاشری زندگی کا نقشہ بڑی حد تک بدل گیا ہے)

آبادی کی تقسیم

عرب کے طبعی حالات نے عرب کی آبادی کو دو حصّوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ بدوی اور شہری۔ بدوی، صحرائی زندگی کی بہترین نمائندگی کرتا ہے۔ بدوی کے ماضی، حال اور مستقبل میں یکسانیت ہے۔ ہزار سال پہلے کا بدوی بیسویں صدی کے بدوی سے ملتا جلتا ہے اور شاید بعد کا بدوی آج کے بدوی سے مختلف نہیں ہوگا۔ قدرت نے بدوی تمدّن کو یکسانیت دے رکھی ہے۔ بدو، اونٹ اور کھجور اس صحرائی تمدّن کی تکون کے اضلاع ہیں۔ بدوی سوسائٹی کی بناوٹ کی بنیاد قبیلہ ہے۔ ہر خیمہ ایک کنبے کی نمائندگی کرتا ہے۔ بہت سے خیمے ایک خاندان کی بنا ڈالتے ہیں۔ بہت سے خاندان مل کر ایک قبیلہ بنتا ہے۔ ایک قبیلہ کے لوگ

آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ مختلف عرب قبیلوں میں لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ عرب کے دو قبیلوں میں چالیس سال تک لڑائی ہوتی رہی۔ اسلام سے پہلے عربوں میں قبائلی لڑائیوں کا عام رواج تھا۔ عرب کے بڑے بڑے شاعروں نے ان قبائلی لڑائیوں کو اپنا موضوع بنایا۔ ان عرب شاعروں کا کلام آج بھی عربی ادب میں نمایاں درجہ رکھتا ہے حجاز اور نجد کے بدوؤں کی تاریخ (اسلام سے پہلے) قبائلی جنگوں کی ایک طویل داستان ہے۔ یہ لڑائیاں بکریوں، بھیڑوں اور گھاس کے تنکوں سے شروع ہوتی تھیں۔ ان لڑائیوں میں قبیلوں کے بہادر اپنی اپنی شجاعت کے جوہر دکھاتے۔ قبائلی شاعر اپنے قبیلہ کی بہادری کے گیت گاتا اور دوسرے قبیلے کی مذمت کرتا۔ ان لڑائیوں نے انتقام کو مہمان نواز بدوی کی سوسائٹی کا ایک ستون بنا دیا۔ ان لڑائیوں میں مرنے والوں کی یاد افسانوں اور شعروں کی صورت میں صدیوں تک باقی رہتی۔ اس قسم کی ایک لڑائی پانچویں صدی عیسوی کے اختتام پر بنو بکر اور بنو تغلب میں ہوئی۔ یہ لڑائی چالیس سال تک ہوتی رہی۔

شہری عرب (حضری) بدوؤں کی طرح خانہ بدوش نہیں ہیں وہ بستیوں میں رہتے ہیں۔ شہری عرب کھیتی باڑی اور تجارت کرتے تھے۔ تجارت میں عربوں نے بڑا نام پیدا کر لیا تھا۔ اسلام سے صدیوں پہلے شہری عربوں کے ذریعہ تجارتی مال ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچایا جاتا تھا۔ سمندری تجارت میں بھی ان عربوں کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ وہ بحیرۂ احمر سے بحیرۂ چین تک کے تجارتی راستوں سے واقف تھے۔ مالابار اور جنوبی ہندوستان کی بندرگاہوں میں عربوں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی تھیں۔ شہری عرب کے تجارتی ماحول نے اسے بدوی عرب سے تھوڑا سا مختلف کر دیا تھا۔

قدیم تاریخ

عرب کے طبعی حالات کے پیش نظر شمالی عرب (حجاز اور نجد) کی زیادہ آبادی بدوی ہے۔ جنوبی عرب کے طبعی حالات نے وہاں بڑے بڑے شہر بسا دیئے۔ جزیرہ نمائے عرب کے مغربی کونے کے باشندے جنوبی سمندر کے

فونیقی تھے۔ مسیح سے ایک ہزار سال پہلے اس خطہ کے عرب تہذیب و تمدّن میں نمایاں درجہ حاصل کر چکے تھے۔ وُہ مصر، شام، عراق اور ہندوستان سے تجارت کرتے تھے۔ انہوں نے تجارت میں بڑا نام پیدا کیا۔ نویں صدی ق م سے دوسری صدی ق م تک جنوبی عرب میں بنی سبا کی ایک بڑی ریاست تھی اس ریاست کے دوسرے دور (۶۵۰ ق م - ۱۱۵ ق م) میں مارب اس کی راجدھانی تھی۔ مارب اپنے بند کی وجہ سے مشہور تھا۔ بنی سبا کی تاریخ کا یہ بہت شاندار دَور تھا۔ بنی سبا کے زوال کے بعد جنوبی عرب کے حمیریوں کا دور شروع ہُوا۔ حمیری اور سبائی ایک ہی نسل سے تھے۔ دونوں کی زبان بھی ایک ہی تھی۔ حمیری خاندان نے ظفر کو اپنی راجدھانی بنایا۔ موجودہ یریم کے آس پاس اِس حمیری راجدھانی کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں۔ حمیری دَور میں عربوں نے یمن اور حضرموت سے نکل کر حبشہ میں اپنی نوآبادیاں قائم کیں۔ افریقہ کے مشرقی ساحل پر عرب آباد ہو چکے تھے۔

پہلے حمیری خاندان کے عہدِ حکومت میں جنوب کے عربوں کی سمندری طاقت ختم ہو گئی۔ جب تک ان عربوں کے قبضہ میں بحیرۂ احمر کی تجارت تھی وُہ بڑے خوشحال اور آسودہ تھے لیکن جب رومیوں نے انھیں بحیرۂ روم سے نکال دیا تو پھر خشکی کی راہ سے انہوں نے تجارت شروع کر دی۔ بحرِ ہند میں رومی جہازوں کی آمد سے جنوب کے عربوں کی سمندری تجارت کو سخت دھکا لگا۔ ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک یمن حبشیوں کے قبضہ میں رہا۔ اس کے بعد حمیریوں نے پھر یمن پر قبضہ کر لیا۔ اس دوسرے حمیری خاندان کے نو بادشاہوں کا حال تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے۔ اسی عہد میں یمن میں یہودیت اور عیسائیت داخل ہُوئی۔ چھٹی صدی عیسوی کے حمیری بادشاہ نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس یہودی بادشاہ نے نجران کے عیسائیوں کا قتلِ عام کیا تھا۔ اس پر حبشہ کے بادشاہ نے یمن پر چڑھائی کی۔ ایک مرتبہ یمن پر

حبشیوں کا پھر قبضہ (۵۲۵ - ۵۷۵) ہوگیا۔ حبشی وائسرائے نے اپنی نئی راجدھانی صنعا میں ایک بہت بڑا گرجا (القیس) بنوایا۔ القیس، مارب کے کھنڈروں کے مسالہ سے تیار کروایا گیا تھا۔ آج اس گرجا کے بہت تھوڑے نشان ملتے ہیں۔ ابرہہ نے اس گرجا کو شمالی عربوں کے مذہبی مرکز مکہ کے مقابلہ پر بنوایا تھا۔ شمالی عرب کے ایک قبائلی سردار نے اس گرجا کی توہین کی تھی اس پر ابرہہ نے مکہ پر حملہ کیا۔ ابرہہ کو شکست ہوئی چونکہ ابرہہ کی فوج میں چند ایک ہاتھی بھی تھے اس لیے عربوں کی تاریخ میں یہ حملہ 'عام الفیل' کہلاتا ہے (۵۷۰ء) ابرہہ کے عہد میں مارب کا بند ٹوٹ جانے سے یمن کی زرعی حالت کو بہت نقصان پہنچا۔ عربی ادب میں بند ٹوٹنے کے اس واقعہ کو بار بار دہرایا گیا ہے۔

یمن کو حبشیوں سے آزاد کرانے کی قومی تحریک نے سیف کی رہنمائی میں کامیابی حاصل کی۔ سیف کی بہادری کی کہانیاں آج بھی دمشق، بغداد، بیروت اور قاہرہ کے قہوہ خانوں میں بیان کی جاتی ہیں۔ سیف نے نوشیرواں کی مدد سے یمن کو حبشیوں کی غلامی سے نجات دلائی لیکن ایران نے بہت جلد یمن کو اپنا ایک صوبہ بنا لیا۔ یمن کے پانچویں ایرانی گورنر نے ۶۲۸ء میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

جنوبی عرب کی ریاستوں کے علاوہ اسلام سے پہلے شمالی عرب میں بھی عربوں کی کئی ایک چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ جنوبی ریاستوں کی طرح ان شمالی ریاستوں کی قوت کا انحصار بھی تجارت پر تھا۔ ان ریاستوں میں سے ایک پترا (یونانیوں کا دیا ہوا نام) تھی۔ اس شہر کا موجودہ نام وادیٔ موسےٰ ہے۔ پترا اس شاہراہ پر واقع تھا جو بحیرۂ روم اور یمن کو ملاتی تھی۔ پترا نے حارث چہارم کے عہد (۹ ق م - ۴۰ء) میں بہت ترقی کی۔ دوسری صدی عیسوی میں رومی شہنشاہ ٹراجن نے پترا کی عرب ریاست کو ایک رومی صوبے میں تبدیل کر دیا۔

پترا کے محل، قلعے اور بازار اپنی خوب صورتی کے لیے بہت مشہور تھے۔ مشرقی جنوبی اور مغربی اطراف سے پترا نا قابلِ تسخیر تھا۔ یرون اور وسطی عرب کے درمیان پترا ہی ایک ایسا مقام تھا۔ جہاں پانی کی بہتات تھی۔ سیاحوں کو محوِ حیرت کرنے کے لیے پترا کے کھنڈر آج بھی شرق اردن میں موجود ہیں۔

جب پارتھیوں نے عراق کو فتح کیا تو مغربی ایشیا کی کاروانی تجارت کے راستے بدل گئے۔ اس تبدیلی نے صحرائے شام کی ایک نخلستانی بستی پالمیرا کو ایک اہم تجارتی شہر بنا دیا۔ پالمیرا چونکہ پارتھیا اور روم کے درمیان واقع تھا۔ اس لیے وہ اپنی بے طرف پالیسی سے فائدہ اٹھاتا رہا۔ دوسری اور تیسری صدی عیسوی میں یہ صحرائی راجدھانی اپنی دولت کی وجہ سے عالمگیر شہرت حاصل کر چکی تھی۔ دوسری صدی عیسوی میں پالمیرا رومیوں کے زیر اثر آچکا تھا چونکہ پالمیرا رومیوں کی اس سڑک پر واقع تھا جو دمشق سے فرات تک جاتی تھی۔ اس لیے رومیوں نے اس شہر کو آہستہ آہستہ اپنی نو آبادی میں منتقل کر لیا۔ جب شہنشاہ ہیڈریئن نے پالمیرا کی سیاحت کی تو رومیوں نے اس سیاحت کی یاد میں اس شہر کو ہیڈریئی آنا پالمیرا کا نام دیا۔ پالمیرا نے تیسری صدی عیسوی میں سیاسیات میں بھی حصّہ لینا شروع کیا۔ پالمیرا کے سردار نے ساسانیوں کے خلاف رومیوں کی امداد کی۔ اس سردار کو روم نے مشرقی وائسرائے کا خطاب دیا۔ ۲۶۷ء میں پالمیری سردار حمص میں قتل کر دیا گیا۔

اس سردار کی خوب صورت بیوی زنوبیہ کے پاس اس بات کا کافی ثبوت تھا کہ اس کے شوہر کو روم کے اشارے پر قتل کیا گیا ہے۔ زنوبیہ نے ملکۂ مشرق کا لقب اختیار کر کے رومیوں سے لڑائی چھیڑ دی۔ اس نے رومیوں کو انقرہ تک پسپا کر دیا۔ اس کی فوجوں نے رومی سلطنت کے دوسرے بڑے شہر اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ اب رومی شہنشاہ آرہی میتن (۲۷۰ء ۲۷۵ء) اپنی فوج لے کر میدان میں نکلا۔ انطاکیہ اور حمص کی لڑائیوں میں

میں بنو تغلب نے حیرہ میں اپنی چھوٹی سی ریاست قائم کر لی تھی۔ حیرہ موجودہ کوفہ سے تین میل جنوب میں واقع تھا۔ یہ شہر "ایرانی عرب" کی راجدھانی تھا۔ حیرہ کے عرب عیسائی مذہب قبول کر چکے تھے۔ حیرہ نے نندر (۴۱۸ - ۴۶۲ء) کے عہد حکومت میں بہت زیادہ ترقی کی۔ نندر کے اقتدار کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے ایرانی پروہتوں کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ بہرام کو تخت نشین کریں۔ اس نے ۴۲۱ء میں ساسانیوں کے ساتھ مل کر بازنطینیوں سے جنگ کی تھی۔ چھٹی صدی عیسوی کے پہلے نصف میں حیرہ پر نندر سوم کی حکومت (۵۰۵ - ۵۵۴ء) تھی۔ نندر نے رومی شام پر بہت سے حملے کیے تھے وہ انطاکیہ تک جا پہنچا تھا لیکن غسانی بادشاہ حارث نے اسے شکست دی۔ نندر کا بیٹا عمرو (۵۵۴ - ۵۶۹ء) شاعروں کا مربی اور محسن تھا۔ "سبع معلقات" کے سات شاعروں میں سے تین اس کے درباری شاعر تھے۔ حیرہ کی عرب ریاست سیاسی لحاظ سے ایران کی حلیف تھی۔ ساتویں صدی کے شروع سے حیرہ میں ایک ایرانی گورنر مقرر کیا جانے لگا۔ جب خالد ابن ولید نے حیرہ کو فتح کیا تو اس وقت بھی حیرہ پر ایران کا پورا قبضہ تھا۔

حجاز کی ابتدائی تاریخ

اب ہم جزیرہ نمائے عرب کے اس حصہ میں داخل ہوتے ہیں جس نے ساتویں صدی عیسوی میں ساری دنیا کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ حجاز آج بھی دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے مقدس سرزمین ہے۔ عرب کا یہ خطہ نجد کی سطوح مرتفع اور تہامہ کے درمیان ایک رکاوٹ (حجاز) ہے۔ مکہ، مدینہ اور طائف حجاز کے تین بڑے شہر ہیں۔ مکہ (بطلموس کا مکروبہ) اسلام سے صدیوں پہلے عربوں کا ایک مذہبی مرکز تھا۔ مکہ، بحیرۂ احمر کے ساحل سے اڑتالیس میل دور قرآن کے الفاظ میں "وادیِ غیر ذی زرع" میں واقع ہے۔ یمن سے شام کو جانے والے تجارتی راستہ کے عین وسط میں واقع ہونے کے سبب مکہ ایک تجارتی شہر بن گیا۔ مکہ کی

زنوبیہ کے جرنیلوں کو شکستیں ہوئیں۔ رومی شہنشاہ نے پالمیرا میں داخل ہو کر زنوبیہ کو گرفتار کر کے اُسے سنہری زنجیروں میں جکڑ لیا۔ زنوبیہ کو روم کے بازاروں میں شاہی جلوس کے آگے آگے گھسیٹا گیا۔ رومی شہنشاہ کے حکم سے عربوں کے خوب صورت اور تجارتی شہر پالمیرا کو کھنڈروں میں بدل دیا گیا۔ آج بھی یہ کھنڈر رومیوں کی تباہ کاری بیان کرنے کے لیے موجود ہیں۔ اس تباہی کے بعد پالمیرا کی شان و شوکت ختم ہو گئی۔ پالمیرا کے مٹ جانے پر غسّانیوں کے شہر جلیق نے اہمیت حاصل کر لی۔

بنو غسّان جنوبی عربوں کا ایک قبیلہ تھا جو تیسری صدی عیسوی میں اپنا وطن چھوڑ کر دمشق کے جنوب مشرق میں آباد ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اس قبیلے نے شامی تہذیب اور عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ پانچویں صدی عیسوی میں بنو غسّان بازنطین کے سیاسی اقتدار کے ماتحت ہو گئے تھے۔ بازنطین، بنو غسّان کو بدوی حملوں کی روک تھام کے لیے استعمال کرتا تھا۔ بنو غسّان کی راجدھانی جلیق تھی۔ بنو غسّان کے سردار ابن جبلہ کو بازنطینی شہنشاہ نے اس کی فوجی خدمات کے صلے میں بادشاہ کا خطاب دیا تھا۔ ابن جبلہ (۵۲۹ - ۵۶۹ء) بازنطینی مفاد کے لیے بہت سی لڑائیاں لڑتا رہا۔ دمشق اور یروشلم پر خسرو پرویز کے قابض ہو جانے سے بنو غسّان میں ابتری پھیل گئی تاہم بنو غسّان کے بادشاہ جبلہ اور بازنطین میں خوشگوار تعلقات رہے۔ جبلہ، بازنطین کا ساتھ دیتے ہوئے جنگِ یرموک (۶۳۶ء) میں عربوں کے ساتھ لڑا تھا۔ بنو غسّان کے علاقہ (غسّانستان) میں تین سو کے قریب چھوٹے بڑے شہر تھے۔ ان شہروں کی تہذیب شامی، عربی اور یونانی تہذیبوں کا آمیزہ تھی۔ بنو غسّان کے حکمران علم و ادب کے بڑے سرپرست تھے۔ "سبع معلقات" کا ایک شاعر لبید غسّانیوں ہی کا پروردہ تھا۔

بہت پرانے وقتوں سے خانہ بدوش عرب قبائل اپنے جزیرہ نما کی مشرقی سرحدیں کو پار کر کے دجلہ اور فرات کی وادی میں آباد ہوتے چلے آ رہے تھے۔ تیسری صدی عیسوی

شہری ریاست پر قریش کا اقتدار تھا۔ مدینہ (یثرب) اور مکہ کا درمیانی فاصلہ تین سو میل ہے۔ یمن سے شام کو جانے والے تجارتی راستہ پر واقع ہونے کے علاوہ مدینہ ایک زرعی بستی تھی۔ مدینہ میں یہودیوں کی اکثریت تھی۔ یہ یہودی فلسطین سے اس وقت دوڑے تھے جب وہاں رومیوں کا قبضہ ہوا تھا۔ یہودیوں نے مدینہ کو زرعی مرکز بنا دیا تھا یہودیوں کے علاوہ مدینہ میں یمن کے دو عرب قبیلے بھی آباد تھے۔ حجاز کا تیسرا شہر طائف سطح سمندر سے چار ہزار فٹ اونچا ہے۔ عرب جغرافیہ دان اسے "سرزمین شام کا ایک ٹکڑہ" کہتے ہیں۔ طائف کے آس پاس کی زمین پھلوں اور سبزیوں کو کثرت سے پیدا کرتی ہے۔ طائف کے گلاب کا عطر دور دراز تک مشہور تھا۔ طائف کی شراب ان غیر ملکی شرابوں سے کسی طرح کم نہیں ہوتی تھی جن کے ذکر سے عرب شاعروں کا کلام بھرا پڑا ہے۔ حجاز اور نجد کی زیادہ آبادی بدوی ہے۔ ان بدوی قبائل کی پرانی تاریخ باہمی جنگوں کی ایک طویل کہانی ہے۔ عربوں کی تاریخ میں یہ دور ایام العرب کہلاتا ہے ان ایام میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے لڑتا۔ لڑائیوں کا سلسلہ یونہی جاری رہتا، یہی وجہ ہے کہ نجد اور حجاز کے عرب اپنے قبطی، پالمیری، غسانی اور یمنی بھائیوں کی سی تہذیبی ترقی نہ کر سکے۔ نجد اور حجاز کے عربوں نے اپنے مخصوص حالات کے پیش نظر جو تہذیب اختیار کی اس میں شاعری، شجاعت اور مہمان نوازی کو بڑا دخل تھا۔ ایام العرب کی تاریخ کے بہترین مآخذ عرب شاعروں کے قصیدے ہیں۔ ان قصیدوں میں شاعر اپنے قبیلے کی تعریف اور اپنے مخالف قبیلے کی مذمت (ہجو) کرتا ہے۔ معمولی سی بات پر دو قبیلوں میں لڑائی چھڑ جاتی۔ بارہا یہ لڑائی جنگ میں حصہ لینے والوں کے موافق اور مخالف قبیلوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ عرب شاعروں کے قصیدوں کی بدولت شمال کے عربوں نے فصاحت میں بڑا نام پیدا کر لیا تھا۔ ایام العرب میں تیر اندازی، شہسواری اور فصاحت بہترین اوصاف خیال کیے

جاتے تھے۔ اس زمانے کے چند قصائد "سبع معلقات" کی صورت میں آج بھی عربوں کے ادب میں نمایاں درجہ رکھتے ہیں "سبع معلقات" ان سات عرب شاعروں کے قصیدوں پر مشتمل ہے جنہیں عکاظ کی ادبی کانفرنس میں اولیت حاصل ہوئی۔ عام روایت کے مطابق ان قصیدوں کو سنہری حروف میں لکھ کر کعبہ کی دیواروں پر اظہار افتخار کے لیے لٹکایا گیا تھا۔ عکاظ کی ادبی کانفرنس نے سب سے پہلے امرأالقیس کو اولیت کا اعزاز دیا۔ وُہ اپنے ایک قصیدے میں اپنے رنگین ایام کا اس طرح ذکر کرتا ہے۔

وُہ میرے انتظار میں پردے کے پیچھے کھڑی تھی۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو اس نے کہا کہ تجھے ٹالنے کے لیے میرے پاس کوئی بہانہ نہیں۔

میں اسے پردے سے نکال کر لے چلا وُہ ہمارے پاؤں کے نشانوں کو اپنی منقش چادر سے مٹاتی جاتی تھی۔

چلتے چلتے ہم آبادی سے کوسوں دُور ہو گئے یہاں تک کہ ہم ایک ٹیلے پر پہنچ گئے مَیں نے اس کے دونوں گیسو پکڑ کر اسے اپنی طرف جھکایا وُہ جھکتی چلی گئی۔

اس کی کمر باریک اور اس کا رنگ گورا تھا۔ اس کا سینہ چمکتے ہوئے آئینہ کی طرح تھا۔ اس کا چمکتا ہُوا چہرہ رات کی تاریکی کو اس طرح روشن کرتا تھا گویا وُہ تاریکی میں چراغ ہے"

طرفہ بکری اپنی خولہ کی یوں تعریف کرتا ہے۔

شہمد کی پتھریلی زمین میں میری خولہ کے آثار ایسے ہیں جیسے گودے ہوئے نقوش کے رہے سہے نشان"۔

"میری خولہ اگرچہ مجھ سے بہت دُور چلی گئی ہے لیکن مجھے اس تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں"۔

"وُہ ایسی نازک اور تازہ ہے کہ اس نے جو جھانجھن اور کنگن پہن رکھے ہیں وُہ ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا کسی نہ چھانٹے ہوتے ارنڈ پر زیور لٹک رہے ہیں"۔

زہیر ابن ابی سلمٰے بیس سال کے بعد اپنی محبوبہ کی بستی میں سے گزرتے ہوئے کہتا ہے
"کیا یہ آثار ام اوفی کے مکان کے ہیں جو ہمارے سوال کا جواب نہیں دیتے۔ آج اس گھر
میں ہرن اور ان کے بچے پھر رہے ہیں"۔
ہاں وہ ہیں پرانے آثار، یہی ہے اس کی فرودگاہ، بچی رہے لوٹ مار سے محفوظ
رہے آفاتِ زمانہ سے"۔
"سبع معلقات" کے علاوہ اور بھی بہت سے قصیدے اور دیوان اس زمانہ کی تاریخ
کے آئینہ دار ہیں۔ ایام العرب کا شاعر اپنے قبیلے کے لوگوں کے جذبات کو اُبھارنے کا
بہت بڑا ذریعہ تھا۔ اس کے اشعار لوگوں کی زبان پر عام ہو جاتے تھے۔ اس کے اشعار ایک
نسل سے دوسری نسل تک پہنچتے۔ یہ اشعار اعجاز بیان اور حسن اظہار کے علاوہ عربوں کی تاریخ
کے بہترین ماخذ ہیں۔ یہ اشعار بدوی سیرت اور صحرائی زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ الشعر
دیوان العرب!
نجد اور حجاز کے بدوی کا کوئی مخصوص اور واضح مذہب نہیں تھا۔ وہ چاند، سورج اور
ستاروں کے آگے جھکنے کے علاوہ درختوں، کنوؤں، غاروں اور پتھروں کو بھی مقدس
خیال کرتا تھا۔ چرواہا چاند کو دیوی خیال کرتا اور کھیتی باڑی سے متعلق بدوی سورج (شمس)
کو دیوتا مانتا تھا نجد اور حجاز کے عربوں میں بت پرستی بھی رائج تھی۔ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ
بُت اسی قدر دیویوں اور دیوتاؤں کی نمائندگی کرتے تھے ہبل کا بُت انسانی صورت
پر بنایا گیا تھا۔ کعبہ کے بتوں میں یہ بُت سب سے بڑا تھا۔ یہ عرب موت کے بعد کی زندگی
کے قائل نہیں تھے۔ ایک پرانے عرب شاعر کے الفاظ میں "ہم زندگی کے میدان میں
بھاگے پھرتے ہیں۔ لیکن آخر کار امیر اور غریب سب زمین کے نیچے پناہ لیتے ہیں اور
یہی ہماری آخری منزل ہے"۔
یمن کی ریاست کی تباہی نے شمالی عرب کے بعض خطوں میں سیاسی بدامنی پیدا

کر دی تھی۔ عربوں میں گرم خون تو تھا لیکن تنظیم کی کمی تھی۔ وہ کاروان تہذیب میں شامل تو ہونا چاہتے تھے لیکن کوئی رہبر نہیں تھا۔ وہ بہت کچھ کرنے کی صلاحیت تو رکھتے تھے لیکن بتانے والا کوئی نہیں تھا۔ سرزمین حجاز کسی بہت بڑے انقلاب کی منتظر دکھائی دیتی تھی!

مکّہ کی شہری ریاست

کعبہ نے مکہ کو شمالی عرب کا ایک مذہبی مرکز بنا دیا تھا۔ کعبہ کو ایک خدا کی پرستش کے لیے بنایا گیا تھا لیکن چھٹی صدی عیسوی میں عربوں نے اسے ایک بتکدہ بنا رکھا تھا۔ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے۔ یہ بت مختلف عرب قبائل کے معبودوں کے نمائندے تھے۔ یمن اور شام کے تجارتی راستہ پر واقع ہونے سے مکہ نے آہستہ آہستہ تجارتی مرکزیت بھی حاصل کر لی تھی۔ مکہ میں قریش آباد تھے۔ قریش کا شمار عرب کے ممتاز ترین قبائل میں سے تھا۔ قریش تاجر پیشہ تھے۔ وہ اپنا سامان تجارت یمن اور شام تک لے جاتے تھے۔ ان کے ذریعہ یمن کا سامانِ تجارت شام تک اور شام کا سامان تجارت یمن تک پہنچتا تھا۔

پانچویں صدی میں قصیّ (قریش) نے مکہ پر اپنا اقتدار قائم کیا۔ قصیّ کے زمانہ میں مکّہ ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ اس کی آبادی بہت تھوڑی تھی۔ قصیّ نے کعبہ کو نئے سرے سے بنوایا۔ اس نے اپنے لیے ایک محل بنوایا جس کا سب سے بڑا کمرہ مکّہ کی شہری ریاست کا کونسل ہال تھا۔ اس کے حکم سے کعبہ کے اردگرد پختہ مکان بنوائے گئے۔ اس نے مکّہ کے لیے ایک دستورِ حکومت مرتب کیا۔ اس نے کعبہ کے زائروں کو پانی اور خوراک مُہیّا کرنے کا انتظام کیا۔ قصیّ کی موت (۴۸۰ء) کے بعد مکّہ کی شہری ریاست کا نظم و نسق اس کے بیٹے عبدالدار کے سپرد ہوا۔ اس کے بعد اس کے پوتوں اور اس کے بھتیجوں میں ریاست کے اقتدار اعلیٰ کے لیے جھگڑا ہو گیا۔ یہ جھگڑا بہت لمبا ہو گیا۔ اس جھگڑے نے قریش کے تجارتی کاروبار کو نقصان پہنچایا۔ آخر کار اقتدار اعلیٰ کی تقسیم نے اس جھگڑے کو چکا دیا۔

آب رسانی اور ٹیکسوں کی وصولی کے اختیارات عبدالشمس کو ملے. کعبہ کی تولیت، کونسل ہال کی نگرانی اور عسکری علم عبدالدار کے پوتوں کے حصے میں آئے. عبدالشمس نے اپنے اختیارات اپنے بھائی ہاشم کے سپرد کر دیئے. ہاشم کی وفات (۵۱۰) کے بعد یہ اختیارات مطلب کو ملے. مطلب کی موت (۵۲۰) کے بعد عبدالمطلب کو جانشینی دی گئی.

اس اثنا میں مکہ کی شہری ریاست میں بنو ہاشم کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا تھا، لیکن عبدالدار کے پوتے بہت زیادہ دولتمند ہو چکے تھے. امیہ کی رہنمائی میں وہ بنو ہاشم سے اقتدار حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے، لیکن عبدالمطلب کے حسنِ انتظام کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ جاتی تھی. تقریباً ساٹھ سال تک عبدالمطلب نے مقتدرِ اعلیٰ کی حیثیت سے مکہ کی شہری زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کی. دس خاندانوں کے بزرگوں کی ایک مجلس مشاورت کو آئین سازی کا اختیار تھا. اسی عہد میں یمن کے حبشی گورنر نے مکہ پر حملہ کیا تھا.

س مکہ میں تاجروں کی جماعت کے علاوہ غلاموں کی کافی تعداد تھی. ان غلاموں کا کام اپنے مالکوں کے لیے محنت اور مشقت کرنا تھا. ان کی حالت یونان کی شہری ریاستوں کے غلاموں ایسی تھی. ان غلاموں کو شہری حقوق حاصل نہیں تھے. منقولہ جائداد کی طرح غلام بھی وارثوں میں تقسیم ہوتے تھے. غلام اپنے مالک کو ایک خاص رقم دیکر آزادی حاصل کر سکتا تھا. مکہ کی مجلسی زندگی میں شراب و شاہد کو بہت دخل تھا. جوئے کا بھی عام رواج تھا. ناچ اور راگ کے متوالوں کی بھی کمی نہیں تھی. بڑے طبقے کے لوگ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار دیتے تھے. شعر و شاعری کے بھی عام چرچے تھے. بہت کم لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے. بت پرستی عام ہو چکی تھی. توحید پرستوں کو انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا.

عربستان کے عوام میں علم کی تڑپ ضرور تھی. وہ قبائلی جنگوں سے بھی اکتا

گئے تھے۔ عربوں میں گو سیاسی مرکزیت مفقود تھی، لیکن وہ کسی مرکز کی تلاش میں ضرور تھے۔ عرب اپنے نیزے اٹھاتے ہوئے ایوان تاریخ میں داخل ہونے والے تھے۔ وہ علم و حکمت کی مشعل تھامے ہوئے کاروان تہذیب کی رہنمائی کرنے والے تھے۔

دوسرا باب

اِسلام کا ظہور

تاریخ عالم کا اہم ترین باب

اِسلام تاریخ عالم کا ایک حیرت انگیز اور اہم ترین باب ہے۔ اسلام نے نہ صرف عربوں کی کایا پلٹ دی بلکہ اس نے نوع انسانی پر بہت بڑا احسان کیا۔ اسلام نے علم کو عوام کی ملکیت بنادیا۔ اس نے انسان اور خدا میں براہ راست رشتہ قائم کیا بتوں اور پروہتوں کا اقتدار ختم کردیا۔ پُرانی اور فرسودہ حکومتوں کو خاک میں ملادیا۔ گبن کے الفاظ میں اسلام ایک ایسا انقلاب تھا جس نے اقوام عالم کی سیرت پر ایک نئی اور پائیدار مہر ثبت کردی"۔ اِسلام نے عوام کو اس فرسودہ تہذیب سے باہر نکالا جس نے صدیوں سے ان کے حقوق غصب کر رکھے تھے۔ اسلام نے عوام کو ذہنی اور اخلاقی پستیوں سے نکال کر انہیں تہذیب و تمدن کی رفعتوں تک پہنچادیا۔ نئے سماجی اور ذہنی نظام کی بنیاد رکھی۔ فرسودہ خیالی، توہم پرستی، پست ہمتی، اوراندھی پوجا کو موت کی گہری نیند سلادیا۔ اسلام ایک نیا اجتماعی فلسفہ تھا جس نے انسانی خیالات میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کردیا۔ اس نے فرضی خداؤں کو ختم کرکے مجبور اور مظلوم انسانیت کے سامنے ایک نیا راستہ پیش کیا۔ اب ہر شخص کے لیے ترقی کی راہیں تھیں — عوام نے اپنے لیے ایک نیا راستہ اختیار کرلیا۔

عرب فوجیں جس ملک میں داخل ہوتیں وہاں کے عوام ان کا خیر مقدم کرتے۔ ذلت اور پستی میں زندگی بسر کرنے والے ان بہادروں کی کامیابی کے لیے دعائیں کرتے۔

عربوں کی فتوحات نے ایک ممتاز، نمایاں اور بہتر تہذیب کی بنیاد ڈالی فشر کے الفاظ میں عربوں نے شام اور مصر کو فتح کرلیا۔ ایران ان کے حملوں کی تاب نہ لاسکا۔ بازنطینیوں اور بربریوں کے ہاتھوں سے افریقہ نکل گیا۔ المانی، ہسپانیہ کھو بیٹھے۔ مغرب میں فرانس اور مشرق میں قسطنطنیہ ان کے نام سے لرز رہا تھا۔ یہاں تک کہ آٹھویں صدی کے آغاز میں یہ سوال اٹھنے لگا کہ دنیا میں کوئی ایسی طاقت ہے جو ان عربوں کا مقابلہ کر سکے۔"

یونانیوں اور رومیوں کا بدحال اور فاقہ مست مصر عربوں کے عہد میں خوشحال اور شاداب مصر بن گیا۔ سپین سے سمرقند تک عربوں نے ملک فتح کیا۔ اس کی کایا پلٹ دی۔ عوام کی ذہنی اور معاشی حالت بہتر ہو گئی۔ سوچ بچار اور غور و فکر کی نئی راہیں کھل گئیں۔

سائنسی تحصیل کا پہلا قدم مشاہدہ اور تجربہ ہے اسلام سے پہلے کی دنیا میں یونانی فکر غالب تھا۔ یونانی اپنی ساری تاریخ میں مادی حقائق کی جستجو پر خیالی دنیا کو ترجیح دیتے رہے یونانیوں کی ذہنی تاریخ میں ایک دَور ایسا ضرور آیا جبکہ یونانی ذہن فلسفی کی جگہ سائنسی بن گیا اسکندریہ کے میوزیم میں تقریباً ایک سو سال تک یونانیوں نے موجودات (مادی حقائق) کا مطالعہ کیا، لیکن اسی میوزیم نے آگے چل کر انسانی ذہن کو ہزاروں خداؤں کے بوجھ تلے دبا دیا جب ہر شے معبود اور مسجود بن جائے تو پھر انسان عقلیت پسند کیونکر رہ سکتا ہے جب قدرت کے ہر عنصر کی پوجا ہونے لگے تو فطرت کا سائنسی مطالعہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم سائنس تجرباتی تائید سے خالی تھی۔ انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق تصوّرات کی بنیاد توہمات پر تھی۔ بازنطینی سلطنت میں شعبدہ بازی کو سائنس کا درجہ حاصل تھا۔ وہاں سائنس کی شمع نہیں اجل سکتی تھی۔ اس شمع کو اسلام نے روشن کیا۔ اسلام نے عناصر قدرت کو سطح خداوندی سے گرا کر انہیں انسانوں کے تابع کر دیا۔ ایک ہی ضرب سے خداؤں کو خادموں میں بدل دیا۔ قرآن نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ قدرت ایک مقررہ نظم کے ماتحت کام کر رہی ہے اور یہ نظم غیر متبدل ہے۔ بظاہر قدرت کے مشاہدہ کی یوں تلقین

کی گئی ہے۔ اَفَلَا یَنظُرُونَ اِلَی الاِبِلِ کَیفَ خُلِقَت o وَاِلَی السَّمَاءِ کَیفَ رُفِعَت o وَاِلَی الجِبَالِ کَیفَ نُصِبَت o وَاِلَی الاَرضِ کَیفَ سُطِحَت o (۸۸: ۱۷-۲۰) اِنَّ فِی خَلقِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَاختِلَافِ الَّیلِ وَالنَّهَارِ وَالفُلکِ الَّتِی تَجرِی فِی البَحرِ بِمَا یَنفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَاَحیَا بِهِ الاَرضَ بَعدَ مَوتِهَا وَبَثَّ فِیهَا مِن کُلِّ دَابَّةٍ وَّتَصرِیفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ المُسَخَّرِ بَینَ السَّمَاءِ وَالاَرضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَومٍ یَّعقِلُونَ o (۲: ۱۵۱)

مکہ ہی ایک بستی تھی، جہاں سے اسلام کی آواز اٹھ سکتی تھی۔ یہ آواز مکہ سے اٹھی۔ مدینہ میں پہنچی وہاں سے اکناف عالم میں پھیل گئی۔ آج دنیا کا شاید ہی کوئی حصّہ ہو جہاں مسلمان موجود نہیں۔

عبدالمطلب

عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر اپنے دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لوں تو ایک کو بتان حرم کے نام پر قربان کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس عرب سردار کی یہ آرزو پوری کر دی۔ ان کے ہاں دس بیٹے ہوئے جب وہ جوان ہو گئے تو عبدالمطلب منت پوری کرنے کے لیے ان تمام بیٹوں کو لے کر کعبہ میں حاضر ہوئے۔ وہاں پر قرعہ ڈالا گیا جو ان کے چہیتے بیٹے عبداللہ کے نام نکلا۔ بوڑھے سردار کے کلیجے کو ہاتھ پڑا۔ مگر وہ اپنی دھن کا پکا اور بات کا کھرا تھا۔ لہٰذا اپنے پیارے بیٹے عبداللہ کو قربان کرنے پر تیار ہو گیا۔ اس موقعہ پر بہتوں نے ٹوکا اور عرب کے سرداروں نے مشورہ دیا کہ عبداللہ کے بدلے دس اونٹ قربان کر دیجئے۔ عبدالمطلب بڑی مشکل سے اس بات پر رضامند ہوئے۔ چنانچہ عبداللہ اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا۔ اتفاق سے قرعہ پھر عبداللہ کے نام پر نکلا۔ عبدالمطلب نے دوسری دفعہ دس کی بجائے بیس اونٹ کر دیئے۔ یہاں تک کہ بیس کو بڑھاتے بڑھاتے تعداد سو تک پہنچ گئی۔ تو آخر اونٹوں پر قرعہ آیا۔ اس طرح عبدالمطلب نے سو اونٹ قربان کیے اور عبداللہ قربانی

سے بچ گئے۔

اس واقعہ کے بعد بوڑھے باپ کو ان کی شادی کی فکر ہوئی چنانچہ عبدالمطلب نے قریش کے ایک گھرانہ بنی زہرہ کے ایک شخص عبد مناف کی صاحبزادی آمنہ کے ساتھ جو قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی کا پیغام بھجوایا۔ پیغام فوراً منظور کر لیا گیا اور اس طرح جناب عبداللہ کی شادی حضرت آمنہ سے ہو گئی شادی کے وقت عبداللہ کی عمر تقریباً سترہ برس تھی۔ شادی کے چند ماہ بعد عبداللہ تجارت کی غرض سے ملک شام روانہ ہو گئے۔ واپسی سفر میں بیمار ہو گئے اور مدینہ میں رک گئے جب عبدالمطلب کو اس کا علم ہوا تو اپنے بیٹے حارث کو خبر لانے کے لیے بھیجا جب حارث مدینہ پہنچے تو عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ عبداللہ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ چہیتے تھے۔ لہٰذا اس سانحہ سے جوان بیوی، بوڑھے باپ اور خاندان کے دیگر افراد کے دلوں پر جو گزری ہو گی اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

تیسرا باب

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ولادت جناب عبداللہ کی وفات کے بعد حضرت بی بی آمنہ کے ہاں خاوند کی وفات کے تقریباً چار ماہ بعد وہ بچہ پیدا ہوا جس کی بدولت ملک عرب کی خاک میں کیمیا کی تاثیر پیدا ہوئی اور عالم انسانیت کی بگڑی بن گئی۔ اس یتیم اور اُمّی بچہ کی قسمت میں دنیا کا سب سے بڑا انسان اور محبوب ترین رہنما ہونا لکھا تھا۔ عبدالمطلب نے جب پوتے کی پیدائش کا سنا تو آنکھ میں آنسو چمک اُٹھے اور دوڑتے ہوئے پوتے کو اٹھا کر خانۂ کعبہ لے گئے جہاں پر سب نے انہیں مبارک باد پیش کی۔ پیدائش کے ساتویں دن عبدالمطلب نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کی دعوت کا اہتمام کیا۔ اس خوشی کی تقریب میں جب لوگوں نے بچہ کا نام دریافت کیا تو عبدالمطلب نے خوشی میں بے اختیار کہا "محمدؐ" لوگ حیرت سے پوچھنے لگے کہ یہ کیسا نام ہے کیونکہ ان کے ہاں یہ لفظ بالکل نیا اور انوکھا تھا۔ جناب عبدالمطلب نے جواب میں کہا۔ محمدؐ کے معنی ہیں "وہ جس کی بہت زیادہ تعریف کی گئی ہو" اور پھر برملا کہا مجھے یقین ہے کہ اس بچہ کی بہت زیادہ تعریف کی جائے گی۔ قدرت نے عبدالمطلب کی زبان سے یہ جملے کیسے اور کس انداز سے کہلوائے! اس وقت خود عبدالمطلب سمیت کوئی بھی یہ سب کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس کے بعد دنیا نے دیکھا اور انسانی تاریخ گواہ ہے کہ کسی فردِ واحد کی اس قدر تعریف نہیں کی گئی جس قدر اس جلیل القدر ہستی کی کی گئی۔

فرمانروائے عالم، شہنشاہِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عالم قدس سے

عالمِ امکان میں تشریف لاتے آپ کے آنے سے توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستان سعادت میں بہار آگئی اور آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر سمت پھیل گئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۹ ربیع الاول پیر کے دن مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء صبح صادق کے وقت ہوئی تھی۔

شرفائے عرب کے یہاں دستور تھا کہ شیر خوار بچے کھلی اور آزاد فضا میں پرورش پانے کے لیے دیہات میں بدوی دائیوں کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔ یہاں ان کی پرورش اور تربیت کی جاتی تھی اور جب یہ بچے نو دس سال کے ہو جاتے تو ان کے والدین کے پاس واپس بھیج دیے جاتے۔ اس طریقۂ کار کا دوہرا فائدہ ہوتا تھا۔ کھلی فضا میں ایک تو بچے تنومند اور بہادر جوان نکلتے تھے۔ دوسرے وہاں ان کو خالص عربی زبان سیکھنے کا موقع ملتا تھا۔ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ ماجدہ نے اور دو تین روز کے بعد ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے دودھ پلایا۔ پھر دستور کے مطابق ہاشمی خانوادے کا یہ جلیل القدر بچہ دائی حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا گیا جو کہ ہوازن قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ جناب حلیمہ نے اس بچہ کی پرورش بڑی احتیاط اور محبت سے کی اور جب آپؐ کی عمر چھ برس کی ہوئی تو آپؐ کو آپؐ کی والدہ حضرت آمنہ کے سپرد کر دیا۔

جناب آمنہ کی دیرینہ خواہش تھی کہ بچہ جب ذرا بڑا ہو تو اسے اپنے مرحوم رفیق کی قبر پہ لے جائیں۔ ساتھی تو بچھڑ چکا تھا لیکن اس کی قبر پہ ایک وفادار بیوی کا ایک حسین و توانا بچے کی صورت میں تحفہ لے جانے کا ارمان ان کے دل میں عرصے سے مچل رہا تھا۔ چنانچہ اگلے سال ماں بیٹے کو باپ کی قبر دکھانے اور ننھیال والوں سے ملانے کے لیے مدینے لے گئیں۔ قبر کی زیارت سے فارغ ہو کر جناب آمنہ نے اپنے میکے میں کوئی ایک

ماہ تک قیام کیا اور جب مکہ کی جانب واپس روانہ ہوئیں تو راستہ میں الواؔ کے مقام پر اچانک بیمار ہوئیں اور انتقال کر گئیں۔ ماں کے پردیس اور سفر میں اس طرح اُٹھ جانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھے سے دل پر نہ جانے کیا گزری ہوگی۔ آپؐ کی والدہ کی کنیز اُمّ ایمن سفر میں آپ کے ہمراہ تھی۔ چنانچہ وُہ بڑی احتیاط سے آپ کو مکے لائی اور آپؐ کے دادا عبد المطلب کے سپرد کر دیا۔

دادا کی وفات اور چچا کی کفالت

جناب عبد المطلب کو اس المناک حادثہ سے بہت صدمہ ہُوا کیونکہ اس سفر سے پہلے اس بچّے کے سر پر باپ کا سایہ نہ تھا اور جب سفر سے واپس ہُوا تو ماں کی ممتا سے بھی محروم ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس یتیم پوتے کو اپنے سینے سے لگایا اور بڑے پیار سے اپنی تربیت میں لے لیا جب تک زندہ رہے کبھی اپنے سے جُدا نہ کیا لیکن اب ان پر بڑھاپا غالب آچکا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال کی ہُوئی تو حضرت عبد المطلب نے ۸۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔ عبد المطلب مرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹے ابو طالب کے سپرد کر گئے تھے۔ لہٰذا دادا کی وفات کے بعد آپؐ کی تربیّت کی ذمہ داری آپ کے چچا ابو طالب نے سنبھال لی۔ جناب ابو طالب اور ان کی بیوی فاطمہ بنت اسد نے اپنے بھتیجے کو اولاد سے بھی بڑھ کر لاڈ پیار سے پالا۔ ساتھ لے کر سوتے اور جہاں بھی جاتے ساتھ لے کر جاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے چچا سے والہانہ محبت تھی۔ آپؐ بچپن میں طبعاً کم سخن اور عام بچّوں سے مختلف تھے۔ اکثر غور و فکر میں ڈوبے رہتے۔ آپؐ کی عمر تقریباً دس برس کی ہوئی تو آپؐ نے عرب کے دستور کے مطابق بکریاں چرائیں۔ بعض مغربی مورخین نے اس کام کو اچھا نہیں گردانا مگر حقیقت میں دستور کے مطابق اس وقت عرب میں بڑے بڑے شرفاء اور امراء کے بچّے بکریاں چراتے تھے اور یہ کوئی معیوب کام نہ تھا۔

آپ کی عمر بارہ سال کی ہوئی تو آپ کے چچا ابوطالب نے تجارت کی غرض سے شام کا عزم کیا۔ آپ کو اپنے چچا سے اس قدر محبت تھی کہ جب وہ سفر کو روانہ ہونے لگے تو آپ بے اختیار ان سے لپٹ گئے۔ چچا کو بھی آپ سے بے پناہ اُنس تھا۔ اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اس بے ماں باپ کے بھتیجے کی دل شکنی گوارا نہ تھی لہٰذا ساتھ لے لیا روایات میں آتا ہے کہ اسی سفر کے دوران ایک عیسائی پادری نے آپ کے نبی ہونے کی بشارت دی تھی۔ جب آپ کی عمر چودہ یا پندرہ برس ہوئی۔ بعض روایات میں ہے۔ جب آپ بیس برس کے ہوئے تو قریش اور قیس عیلان دونوں قبیلوں میں لڑائی چھڑ گئی جو کئی دن تک جاری رہی۔ چونکہ قریش حق پر تھے لہٰذا آپ نے بھی اس لڑائی میں شرکت کی۔ مگر کسی پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ بلکہ صرف دفاع کیا اور اپنے اعمام کو تیروں سے بچاتے رہے۔ اس واقعہ سے آپ کا اوّل دن سے ہی بہادر اور شجاع ہونا ثابت ہوتا ہے جب آپ جوان ہوئے تو آپ کی دیانت، اعتماد اور یقین کا یہ عالم تھا کہ لوگ آپ کو الصادق اور الامین کے القابات سے یاد کرتے تھے اور بے کھٹکے اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھ جاتے۔

اس وقت عرب پر جاہلیت کی گرفت تھی۔ عربوں کی اخلاقی حالت اس قدر پست تھی کہ شراب خوری، قمار بازی، بُت پرستی، بے حیائی، ڈاکہ زنی اور غارت گری عرب معاشرے کا جزو بن چکی تھی۔ پوری عرب سوسائٹی اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھی اور یہ تمام بُرائیاں عرب جوانوں کے پسندیدہ مشاغل تھیں۔ خدائے دوجہاں کی وحدانیت اس کے برحق ہونے کا تصوّر تو پایا جاتا تھا مگر خال خال اور اس تصوّر کو ان تمام برائیوں اور بُت پرستی کے نشہ نے دھندلا کر دیا تھا عرب معاشرے میں عورت کی حالت اتنی پست اور ناگفتہ بہ تھی کہ وہ بھیڑ بکریوں کی طرح تجارتی جنس بن چکی تھی۔ شادیوں پر کوئی پابندی اور قید نہ تھی ایک وقت میں ایک مرد جتنی عورتوں سے چاہتا شادی کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ عورت کو جتنے مردوں سے وہ چاہے تعلق پیدا کرنے کی کھلی آزادی تھی۔ چوری چھپے آشنائی سے لے کر کھلی ہوئی بے حیائی اور

بدکاری تک ہر بُرائی پائی جاتی تھی۔ عرب کے معاشرے کی پستی اور گراوٹ کی انتہا یہ تھی کہ منقولہ اور موروثی جائداد کی طرح باپ کی وفات کے بعد اُس کی بیویاں بھی بیٹے کو ورثے میں مل جاتی تھیں اور وُہ اپنی حقیقی ماں کے علاوہ سوتیلی ماؤں سے عقد کرنے میں کسی قسم کی شرم وحیاء محسوس نہیں کرتا تھا۔ ان جملہ برائیوں کے علاوہ عرب ایک شدید مجرمانہ اور بھیانک رسم پر کاربند تھے یعنی لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی بڑے فخریہ انداز میں قتل کر دیا کرتے تھے یا زندہ درگور کر دیا کرتے تھے تاکہ کوئی ان کا داماد نہ کہلاتے آقا کو غلاموں کی زندگی اور موت پر پورے مالکانہ حقوق حاصل تھے۔ ملک میں کوئی مرکزیت نہ تھی۔ ہر قبیلہ اپنے مخصوص علاقہ میں اپنے سردار کے ماتحت خود مختار بنا ہُوا تھا جس کی وجہ سے مختلف قبائل شدید قسم کی رقابتوں اور رنجشوں میں مبتلا تھے۔ معمولی سی بات پر تلواریں نکل پڑتی تھیں اور بعض اوقات معاملہ اتنا طول پکڑتا کہ بڑی ہولناک جنگوں کی صورت اختیار کر لیتا جو کئی پشتوں تک جاری رہتا۔

عرب اگرچہ جاہل تھے اور لکھنے پڑھنے سے واقفیت نہ تھی مگر ان کو اپنی زباں دانی اور شاعری پر اس قدر ناز تھا کہ ساری دُنیا کو اپنی فصاحت و بلاغت کے مقابلے میں "عجم" یعنی گونگا سمجھتے تھے۔ عربوں کے ہاں شرافت کا معیار صرف یہ تھا کہ کس شخص کے پاس دولت، غلام، لونڈیاں، اونٹ، بکریاں اور باغ زیادہ ہیں۔ نیکی اور تقوٰی کا تصوّر تک نہ تھا۔ عرب کے اس عجیب و غریب ماحول نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر اتنا گہرا اثر کیا کہ آپ دنیا جہان سے الگ تھلگ تجسس اور غور و فکر میں ڈوبے رہتے۔

اس بُرے ماحول میں آپ حسنِ اخلاق کا بہترین نمونہ تھے۔ بیماروں کی تیمارداری، ہمسایوں کے حقوق کا تحفظ اور لحاظ، بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت، بےکسوں اور ضعیفوں کی دست گیری، یتیموں اور بیواؤں کی امداد اور ہر مظلوم اور مصیبت زدہ کی حمایت آپ کا شیوہ تھا۔ آپ کے حسنِ اخلاق، دیانت، پاک باطنی، راست بازی، اخلاقِ حمیدہ، نیکی،

شرافت، بے داغ اور معصومانہ زندگی نے اہلِ مکہ کو اتنا متاثر کیا کہ وُہ آپ کو صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ چنانچہ مکہ کے لوگ آپ کے پاس اپنی امانتیں رکھ جاتے، اپنے ذاتی معاملات میں مشورہ لیتے اور تمام جھگڑوں اور تنازعات کا فیصلہ آپ ہی سے کراتے۔

حِلفُ الفضول

یہ معاہدہ عربوں کی تاریخ کا ایک زریں کارنامہ ہے۔ مُلک عرب میں لڑائیوں کے متواتر سلسلہ نے سینکڑوں گھرانے برباد کر دیے تھے اور ہر طرف قتل اور سفاکی اور غارت گری کا دَور دورہ تھا۔ ان حالات کے پیشِ نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بہت پہلے ہی ملک عرب کی چند شخصیّتوں نے مل کر آپس میں ایک معاہدہ کیا تھا جس کی رُو سے مظلوم کی طرف داری اور ظالم کا مقابلہ کرنے کا عہد کیا گیا تھا۔ حُسنِ اتفاق سے اس قدیم معاہدہ میں جس قدر لوگ شامل تھے ان سب کے ناموں کے آگے فضل کا لفظ ضرور آتا تھا۔ یعنی فضیل بن حارث، فضیل بن وداعہ اور مفضل وغیرہ لہٰذا اسی بنا پر اس تاریخی عہد کو حِلفُ الفضول کے نام یاد کیا جانے لگا۔ اگرچہ یہ معاہدہ اب بے کار ہو چکا تھا اور اس جماعت کا وجود بھی مُلک عرب سے ختم ہو چکا تھا مگر اس مشہور و معروف معاہدہ کا تذکرہ اکثر لوگوں کی زبان پر آجاتا تھا۔ لہٰذا جنگ فجار (جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت کی) کے بعد آپ کے چچا زبیر بن عبد المطلب جو خاندان کے سربراہ تھے اور چند دوسرے لوگوں کے دلوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی کہ اس معاہدہ کی از سرِ نو تجدید کی جائے تاکہ قبائل کو باہمی رنجش اور قتال سے باز رکھا جائے۔ چنانچہ خاندان ہاشم زہرہ اور تیم کے چند سرکردہ ارکان عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے اور یہ طے پایا کہ ان میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کسی ظالم کو مکہ میں نہیں رہنے دیا جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو ابھی پوری طرح جوان نہیں ہوئے تھے بھی اس معاہدہ میں شریک تھے اور آپ عہد

نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر آج بھی کوئی اس معاہدہ سے مجھ کو بلائے اور مدد طلب کرے۔ تو میں اس کو جواب دوں گا اور اگر اس کے مقابلہ میں مجھے سُرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لیے کوئی بلائے تو میں ضرور حاضر ہوں جب آپ جوان ہو گئے تو آپؐ نے عرب کے بیشتر قبائل کے سرداروں اور دوسرے اہلِ علم حضرات کو ملک کی بدامنی مسافروں کے لٹنے اور ضعیفوں اور ناداروں پر ظلم وستم کا حال بیان فرما کر ان تمام لوگوں کو تمام بُری باتوں کی اصلاح کے لیے آمادہ کر لیا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک پر ایک جماعت قائم ہوئی جس میں بنو ہاشم بنو المطلب بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تمیم کے خاندان شامل ہوئے اس انجمن کے ہر ایک ممبر کو یہ حلف اُٹھانا پڑتا تھا کہ :-

۱۔ ہم ملک سے بدامنی دُور کریں گے اور جنگ وجدل کو مٹائیں گے۔
۲۔ مسافروں کی حفاظت کریں گے اور اپنے اپنے قبیلہ کی حدود سے لوٹ مار ختم کریں گے۔
۳۔ غریبوں کی امداد کریں گے۔
۴۔ زبردستوں کو ظلم کرنے سے روکیں گے۔

مظلوم کی حمایت اور اُسے اس کا حق دلانا اس جماعت کے اغراض ومقاصد کا نمایاں پہلو تھا اور اس جماعت کے قیام سے مکہ کے ہر خاص وعام کو بہت فائدہ پہنچنے لگا۔ اس طرح دنیا کی تاریخ میں سب سے پہلا اجتماعی معاہدہ امن طے پایا جبکہ یورپ میں مدتوں بعد اسی قسم کی ایک کوشش "آرڈر آف دی نائٹ ہڈ" (Order of The night hood) کے نام سے کی گئی۔

کعبہ کی تعمیر اور حجرِ اسود

عرب اگرچہ بت پرستی اور طرح طرح کی بدعات وخرافات میں مبتلا تھے مگر اس کے باوجود کعبہ اب بھی ان کے نزدیک محترم اور مقدس جگہ تھی اور انہوں نے اپنے بیشتر بتوں کو کعبہ کی عمارت کے اندر ہی سجا رکھا تھا۔ اس زمانے میں

عمارت زیادہ اونچی نہ تھی اور دیواروں پر چھت بھی نہ تھی۔ مزید برآں عمارت نشیبی جگہ پر تھی اور بارش کے وقت سارے شہر کا پانی حرم میں جمع ہو جاتا تھا۔ برسات کے پانی کی روک تھام کے لیے بالائی حصے پر کئی بار بند تعمیر کرایا گیا تھا مگر وہ ہر بار پانی کے تیز بہاؤ کی وجہ سے ٹوٹ جاتا تھا اور عمارت کو کافی نقصان پہنچتا تھا۔ انہی دنوں خانہ کعبہ میں کسی بد احتیاطی کی وجہ سے آگ لگ گئی اور عمارت کی دیواریں جگہ جگہ سے پھٹ گئیں۔ لہٰذا قریش نے فیصلہ کیا کہ پوری عمارت کو گرا کر از سرِ نو تعمیر کیا جائے۔ اس تجویز پر اتفاق تو سب کا ہو گیا مگر کھڑی ہوئی عمارت کو گرانے کی کسی میں ہمت نہ تھی آخر قریش کے ایک معروف سردار عمارت گرانے کے کام میں شریک ہو گئے۔ حسنِ اتفاق سے انہی ایام میں جدہ کی بندرگاہ کے قریب ایک تجارتی جہاز ساحل سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا تھا۔ قریش کو جب اس کی بابت معلوم ہوا تو وہ ولید بن مغیرہ اور چند اور سرداروں کے ساتھ جدہ پہنچ گیا اور جہاز کے تختے خرید لیے۔ پھر ان کو اونٹوں پر لاد کر مکہ میں لے آئے۔ اور انہی تختوں کی بعد میں خانہ کعبہ پر چھت ڈالی گئی اسی جہاز میں یاقوم نامی ایک رومی معمار تھا۔ ولید اس کو بھی ساتھ لے آیا اور تمام قریش نے مل کر پہلے تو کعبہ کی دیواروں کو حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر کردہ بنیادوں تک منہدم کیا اور پھر مل کر تعمیر شروع کر دی۔ تعمیر کا کام اس طرح انجام پایا کہ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لیے تھے تاکہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جاتے لیکن جب دیوار بلند ہوتے ہوتے اس مقام پر پہنچ گئی جہاں حجرِ اسود کو نصب کرنا تھا تو قریش میں سخت جھگڑا پیدا ہو گیا۔ کیونکہ ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ سعادت اسی کے حصہ میں آئے مگر بات کسی صورت طے نہیں ہو پاتی تھی۔ یہاں تک کہ اس جھگڑے نے شدید جنگ کی صورت اختیار کر لی اور قریش کے خاندان ایک دوسرے کو مرنے مارنے پر تُل گئے۔ اس جھگڑے کی وجہ سے تعمیر کا کام پانچ دن تک بند رہا۔ اس وقت ملک عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تھا تو ایک پیالہ میں اپنا خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبو لیتا تھا۔ لہٰذا

اس موقع پر بھی بعض انتہا پسندوں نے یہ رسم ادا کر کے جان پر کھیل جانے کی تیاری کر لی تھی۔ چار دن تک جھگڑا رہا۔ قریش کے تمام قبائل پانچویں دن جھگڑے کا کوئی حل نکالنے کے لیے کعبہ میں جمع ہوئے اور ایک اجلاس منعقد کیا۔ اس مجلس میں ابو امیہ ابن مغیرہ نے جو قریش کے قبیلے میں سب سے معمر تھا یہ تجویز پیش کی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہوتا نظر آئے اسی کو ثالث مقرر کیا جائے اور وہ جو فیصلہ کرے اُسی پر سب رضامند ہو جائیں۔ سب نے اس رائے کو تسلیم کر لیا اور جب دوسرے دن تمام قبائل کے معزز آدمی موقع پر پہنچے تو کرشمہ ربانی دیکھ کر دم بخود ہو گئے۔ صبح سویرے سب سے پہلے لوگوں کی نظریں جس ہستی پر پڑیں وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہوتے دیکھے گئے۔ یہ دیکھتے ہی سب پکار اُٹھے کہ الامین ہی ہمارا الحکم (ثالث) ہو گا۔ لیکن آپ نے یہ قبول نہ کیا کہ اس شرف سے تنہا بہرہ ور ہوں۔ عربوں کی حمیت پسند اور عزت پرست فطرت کو جس طرح آپ نے اپنے فیصلہ سے مطمئن کیا۔ دنیا کی عدل و انصاف کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک ایسے نازک مسئلہ کا حل جس کی خاطر تمام عرب قبائل مرنے مارنے پر تلے بیٹھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر کے سب کا مطمئن ہونا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ آپ کی فہم و فراست، دیانت اور منصف مزاجی پر سبھی ایمان رکھتے تھے۔ آپ نے معاملہ سے آگاہ ہو کر ذرا سی دیر میں تمام جھگڑے کو ختم کر دیا اور تمام بڑے بوڑھے اور قریش کے معزز سردار آپ کی ذہانت اور قوتِ فیصلہ اور منصف مزاجی کو دیکھ کر سب ششدر رہ گئے اور سب نے بالاتفاق اَحْسَنْتَ وَمَرْحَبًا کی صدائیں بلند کیں آپ نے فرمایا کہ جو قبائل دعویدار ہیں سب ایک ایک نمائندہ نامزد کریں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر بچھا کر حجرِ اسود کو اس میں رکھ دیا اور تمام عرب سرداروں سے کہا کہ چادر کو چاروں کونوں سے پکڑ کر اوپر اٹھائیں اور اس شرف میں شریک ہوں۔ جب یہ مقدس پتھر اپنی مخصوص جگہ پر پہنچ گیا تو آپ

نے اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو اُٹھا کر اُسے دیوار میں نصب فرما دیا۔ اس طرح آپ کے حُسنِ تدبّر سے ایک خطرناک لڑائی رُک گئی۔ کسی کو کوئی شکایت نہ ہوئی اور آپؐ کے اِس طرزِ عمل سے سب لوگ بہت خوش ہُوئے۔ جس نے سُنا آپ کی بہت تعریف کی اُس وقت آپ کی عمر ۳۵ برس کی تھی۔

انھی دنوں ملک میں قحط پڑ گیا۔ تجارت آپؐ کا پیشہ تھا اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے شادی کے بعد آپؐ کی گزراوقات بڑے اچھے انداز میں ہو رہی تھی۔ کوئی آپ کا دشمن نہ تھا۔ اور آپؐ پورے ملک میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپؐ کے چچا ابو طالب کثیر العیال ہونے کی وجہ سے افلاس و تنگی کے ساتھ گزراوقات کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ سے چچا کی یہ حالت دیکھی نہ گئی فوراً اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کو مشورہ دیا کہ قحط کا زمانہ ہے۔ ابو طالب کا کنبہ بڑا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ان کے ایک لڑکے کو آپ اپنے گھر لے آئیں اور ایک کو میں لے آؤں۔ اس طرح ان کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ آپ کے چچا عباس نے اس مشورہ کو پسند کیا چنانچہ جعفر بن ابو طالب کو تو عباس بن عبدالمطلب اپنے گھر لے گئے اور علی ابن ابو طالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر لے آئے اس وقت علی کرم اللہ وجہہ کی عمر صرف پانچ سال تھی اور یہ اسی سال کا واقعہ ہے جس سال خانہ کعبہ کی تعمیر ہوئی تھی۔

یہ چند واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دانائی، خوش اطواری، بے داغ جوانی اور زیرک شخصیت کی بین شہادت ہیں۔ اُس پُر فتن دَور میں جہاں ہر طرف عیاشی اور فحاشی کا چرچا ہو اور بدمستی اور دھڑہ بندی کا دَور دورہ ہو آپؐ کا اسوۂ پاک اہلِ مکہ کے لیے کچھ کم حیرت انگیز نہ تھا۔ اس وجہ سے اعلانِ نبوت سے پہلے وُہ آپ کو الصادق اور الامین کہہ کر پکارتے اور عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے۔ ان تمام صفات کے علاوہ حیا اور خودداری کی صفات بھی آپؐ میں بے حد نمایاں تھیں۔ بچپن میں بھی آپؐ اپنا جسم مبارک ننگا نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا تو آپؐ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ خودداری کا یہ

عالم تھا کہ ہمیشہ کوشش کرتے کہ آپؐ کا بوجھ چچا پر نہ پڑے اور اپنی روزی خود پیدا کر لے کی کوشش کرتے۔ شادی کے بعد مالدار بیوی کا مال اپنے اوپر حلال نہ سمجھا بلکہ اس وقت بھی روزی اپنے ہاتھوں سے حاصل کرنے کی کوشش فرماتے۔

حضرت خدیجہ رضؓ سے شادی

اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ آپؐ بچپن میں بھی بعض تجارتی سفر اختیار کر چکے تھے۔ جس کی بدولت آپؐ کو ہر قسم کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا اور آپ کے حسنِ معاملہ کی شہرت بھی ہر طرف پھیل چکی تھی۔ تجارت کے کاروبار میں آپؐ ہمیشہ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے۔ ملک عرب کے تجار اور دوسرے اُمرا عموماً اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور دیانتدار شخص کے ہاتھ میں دیکر اس کے منافع میں شرکت کر لیتے تھے اور تجارت کی غرض سے شام و بصرا اور یمن کے متعدد سفر آپؐ نے کیے تھے۔ مکہ میں ایک معزز خاتون خدیجہ رہتی تھیں جن کی دو شادیاں ہو چکیں تھیں اور اب وہ بیوہ تھیں۔ وہ بہت پاکدامن اور شریف النفس تھیں اور لوگ ان کے پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے انہیں طاہرہ کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ ان کے والد خویلد بہت دولت مند تھے اور اس نے اپنی زندگی میں ہی ساری دولت اور تجارت اپنی اکلوتی بیٹی خدیجہ کے سپرد کر دی تھی جسے انہوں نے خوب ترقی دی۔ حضرت خدیجہ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے آملتا ہے اور رشتہ کے لحاظ سے وُہ آپ کی چچیری بہن تھیں۔ جب آپؐ کی عمر ۲۵ برس تھی اور آپؐ کی دیانت اور شرافت کا چرچا عام تھا۔ تجارت کے کام میں آپؐ کافی تجربہ حاصل کر چکے تھے لہٰذا آپؐ کے حسنِ معاملہ، راست بازی، صدق و دیانت اور پاکیزہ خیالات کی بنا پر حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو پیغام بھجوایا کہ آپؐ میرا مالِ تجارت لے کر شام جائیں میں آپ کو اوروں سے دوگنا معاوضہ دوں گی۔ آپؐ نے یہ شرط قبول فرمائی اور مال تجارت لے کر سفر پہ روانہ ہو گئے۔ اس طریقہ تجارت کو "مضاربت" کہا جاتا تھا۔ اس سفر میں خدیجہ کا ایک غلام میسرہ بھی آپؐ کے

ساتھ تھا۔ تجارت میں فائدہ تو حضرت خدیجہؓ کی توقعات سے بہت بڑھ کر ہوا مگر میسرہ نے راستہ میں آپؐ کے اخلاق و اطوار کو جیسا کچھ پایا تھا جب اس کا ذکر اپنی مالکہ سے کیا تو وہ آپ کے اخلاق کی گرویدہ ہو گئیں۔ چنانچہ سفر سے واپس آنے کے تقریباً تین ماہ بعد حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو شادی کا پیغام بھجوایا جو آپؐ نے اپنے چچا ابو طالب اور دوسرے عزیزوں کے مشورہ سے قبول کر لیا۔ اس طرح آپ کی شادی حضرت خدیجہؓ سے ہو گئی۔ آپ کے چچا ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور پانچسو طلائی درہم مہر قرار پایا۔ شادی کے وقت آپؐ کی عمر ۲۵ برس اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کے قریب تھی۔ پہلے دو شوہروں سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ شادی کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنی ساری دولت آپؐ کے سپرد کر دی۔ مگر آپؐ نے اس میں سے اپنی ذات پر کبھی کچھ خرچ نہ کیا۔ بلکہ تجارت کر کے اپنے اور گھر کے اخراجات کو پورا کیا کرتے تھے۔ اور ضروریات سے بچی ہوئی دولت کو غریبوں محتاجوں اور ناداروں میں تقسیم کر دیتے یہی وجہ ہے کہ نکاح کے تقریباً پندرہ برس بعد جناب خدیجہؓ کی تمام دولت ختم ہو گئی اور وہ خوش تھیں کہ ان کی دولت خدا کی راہ میں اللہ کے بندوں کے کام آئی۔ شادی کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنے ایک غلام کو جس کا نام زیدؓ تھا آپؐ کی خدمت میں دے دیا تھا۔ آپ نے اسے آزاد کر دیا اور فرمایا کہ "تم چاہو تو میرے پاس رہ سکتے ہو چاہو تو اپنے ماں باپ اور عزیزوں کے پاس جا سکتے ہو۔ آج سے تم آزاد ہو۔ حضرت زیدؓ نے اپنی مرضی اور خوشی سے آپ کی خدمت میں ہی رہنا پسند کیا اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔

تفکر اور توجہ الی اللہ

جب آپؐ کی عمر پینتیس برس کی ہوئی تو آپؐ اکثر کسی گہری سوچ میں ڈوبے دکھائی دیتے اپنوں اور بیگانوں سے تعلقات میں کمی ہرگز نہ تھی۔ مگر آپؐ کی روشن اور چمکدار آنکھیں کسی گہری فکر کا پتہ ضرور

دیتی تھیں۔ اکثر خاموش رہتے۔ چاروں طرف جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ آپؐ
کے ذہن میں جو شمع روشن تھی وُہ بڑھ کر آس پاس کی تمام تاریکیوں کو مٹا دینا چاہتی تھی۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دِل میں عام انسانوں کی حالت کو بہتر بنانے کا جذبہ بیدار
ہو رہا تھا اور یہ جذبہ دن بدن شدت پکڑتا جا رہا تھا۔ آپؐ تنہا رہنے اور خدا کی قدرت پر
غور کرنے میں بہت زیادہ لطف محسوس کرتے۔ مکہ سے لگ بھگ تین میل دُور غارِ حرا میں
آپؐ کئی کئی دن خلوت اختیار فرماتے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے اور جب یہ ختم ہو
جاتا تو گھر تشریف لاتے اور پھر سامان لے کر واپس چلے جاتے اور مہینوں مراقبہ میں مصروف
رہتے۔ صبح شام سوچ بچار اور خدا کی عبادت میں گزار دیتے یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا
جوں جوں چالیس کا سن قریب آتا گیا غارِ حرا میں خلوت زیادہ محبوب اور مدت دراز ہوتی گئی

نزولِ وحی

نبوت سے چھ مہینے پہلے سچّے اور واضح خواب دیکھنے لگے تھے کہ ایک
دن اچانک ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ کو دوشنبہ کے دن جبرئیل
علیہ السلام آتے اور سورہ اقراء کی شروع کی آیتیں آپ کو پڑھائیں اور آپؐ مشرف بہ نبوّت
ہوگئے۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے آپ کو ساری دنیا کے انسانوں کے لیے رسولِ معبوث
فرمایا۔ سب سے پہلے جو وحی آپؐ تک پہنچائی گئی اس کے الفاظ یہ تھے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ
الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝

ترجمہ: اپنے اس خدا کے نام سے پڑھ، جس نے کائنات کو پیدا کیا جس نے انسانوں کو
جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا خدا بڑا ہی رحیم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔
انسان کو وُہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

جناب جبرئیلؑ کا پہلی بار دیکھنا اور پیغامِ ربانی کا پانا آپؐ کے لیے بالکل نیا تجربہ تھا اللہٰذا
اتنی بڑی ذمّہ داری کے احساس سے گھبرا جانا قدرتی امر تھا۔ آپؐ غار سے نکل کر فوراً گھر

تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضؓ سے فرمایا کہ "مجھے کمبل اڑھا دو۔ مجھے کمبل اڑھادو"۔
جناب خدیجہ رضؓ نے آپؐ کو پریشانی کے عالم میں دیکھا تو فوراً آپؐ پر ایک چادر ڈال دی۔ کچھ دیر کے توقف کے بعد آپؐ نے سارا واقعہ حضرت خدیجہ رضؓ کو سنا دیا۔ جناب خدیجہ رضؓ نے آپؐ کو تسلی دیتے ہوئے کہا "آپؐ غریبوں پر رحم فرماتے ہیں، بے کسوں کی مدد کرتے ہیں۔ قرض داروں کے قرض کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو کبھی رُسوا نہ کریں گے۔ کیونکہ آپؐ سچ بولتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور نیک کام کرنے والوں کی اعانت کرتے ہیں"۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ رضؓ آپؐ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے ہاں لے گئیں۔ وہ ایک عیسائی عالم تھے۔ جب انہوں نے سارا ماجرا سُنا تو کہا "یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر اترا تھا۔ اسرائیلی پیغمبروں کی پیشگوئیاں آپ پر صادق آئیں گی"۔ پھر کہا "کاش میں اُس وقت تک زندہ رہوں جب تمہاری قوم تم سے لڑے گی اور یہاں سے نکال دے گی۔ کاش میں اُس وقت تک ساتھ دیتا۔ پھر اُس نے کہا "پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ان کی بدکردار قوموں نے ایسا ہی برتاؤ کیا ہے"۔ ورقہ بن نوفل کی باتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ افزائی ہوئی اور آپؐ اپنے آئندہ کے عظیم اور کٹھن کام کے لیے اپنے آپ کو تیار پانے لگے۔
اس پیغام الٰہی کے بعد کچھ عرصہ تک فرشتہ نہ آیا لیکن آپ غارِ حرا متواتر جاتے رہے کیونکہ وحی کی لذت خطاب نے آپ کو بے تاب کر دیا تھا اور دل و دماغ اور ذہن و فکر کی دنیا اس عجیب واقعہ کے بعد کچھ اور ہو گئی تھی۔ ایک عرصہ کے بعد پھر فرشتہ آیا اور سورہ مدثر کی پہلی آیتیں نازل ہوئیں جن کے الفاظ یہ تھے۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝

ترجمہ: "اے چادر میں لپٹے ہوئے کھڑا ہو جا۔ پھر ڈرا۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر

اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے بچا رہ"۔
اب کی مرتبہ پہلی سی حالت نہ ہوئی۔ پہلے اضطراب کا عالم تھا مگر اب دل کو سکون تھا اور وہ عظیم ذمہ داری اب مجسم حقیقت بن کر سامنے آگئی تھی۔ اب آپ پر فرض ہو گیا تھا کہ نبوت کی چادر اوڑھے ہوئے آپؐ اُٹھ کھڑے ہوں اور خدا پر بھروسہ کر کے لوگوں کو حق کی دعوت دیں اور ہدایت کی طرف بلائیں۔ اُن کو بُرے کاموں سے روکیں اور ان کے خیالات درست کریں۔ آپؐ گھر تشریف لائے اور فرمانِ خداوندی کے مطابق اپنی رفیقۂ حیات جنابِ خدیجہؓ کو خدا کے حکم سے آگاہ کیا۔ حضرت خدیجہؓ نے کسی تامل اور پس و پیش کے بغیر فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اس کے فوراً بعد آپ کے دوست حضرت ابوبکرؓ اور آپؐ کے چچازاد بھائی حضرت علیؓ اور آزاد غلام زیدؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

آغازِ تبلیغ اور کفار کی مخالفت

اُس کے بعد آپؐ نے حسبِ حکم "فانذر" پوشیدہ طور پر دعوتِ اسلام شروع کی۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی "فاصدع بما تؤمر" تو آپؐ نے علی الاعلان دعوتِ حق شروع کر دی۔ جس پر کفارِ مکہ نے آپؐ کی بھرپور مخالفت کی اور آپؐ کو طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کر دیں لیکن آپؐ کے چچا ابو طالب آپؐ کی حمایت کرتے رہے۔ ایک بار کفار تنگ آکر جمع ہوئے اور ابو طالب سے جا کر کہا کہ محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ ہم تم سے لڑیں گے۔ ابو طالب نے آپؐ کو ان کے حوالے کرنا قبول نہ کیا۔ لہٰذا کفار نے آپؐ کو قتل کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ اس خوف سے ابو طالب آپؐ کو لے کر مع تمام بنی ہاشم و بنی مطلب مکہ کے قریب ایک شعب (جو شعب ابی طالب کہلائی) یعنی گھاٹی میں حفاظت کی غرض سے چلے گئے اور کفارِ مکہ نے آپؐ سے اور آپؐ کے خاندان سے قطع تعلق کر لیا۔ کفار نے سوداگروں کو منع کر دیا کہ شعب ابی طالب میں نہ جائیں اور ان لوگوں کے ہاتھ کوئی چیز نہ بیچیں اور ایک کاغذ اس قطع علاقہ کے عہد کا لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔ آپؐ اپنے خاندان

سمیت پورے تین سال تک نہایت تکلیف میں اس گھاٹی پر رہے۔ آخر کار آپؐ کو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی کہ کیڑے نے اس عہدنامہ کے کاغذ کو بالکل کھا لیا ہے۔ ماسوائے اللہ کے نام کے جو اس عہدنامہ میں کہیں کہیں تھا۔ ایک حرف نہیں چھوڑا۔ آپؐ نے یہ حال ابوطالب سے بیان کیا۔ ابوطالب نے فوراً شعب سے نکل کر اس بات کا تذکرہ قریش سے کیا اور کہا کہ اِس کاغذ کو دیکھو اگر محمدؐ کا بیان غلط نکلے تو ہم اُنہیں تمہارے حوالے کر دیں گے اور اگر صحیح نکلے تو کم از کم اتنا تو ہو کہ اس قطع رحم اور عہد سے باز آجاؤ۔ قریش نے کعبہ میں جا کر اس کاغذ کو دیکھا جو فی الواقع ایسا ہی تھا۔ اس طرح قریش اس ظلم سے باز آئے اور عہدنامہ کو چاک کر ڈالا۔ اس کے بعد ابوطالب آپؐ اور دوسرے تمام خاندان سمیت شعب سے باہر نکل آئے اور آپ بدستور دعوت حق میں مشغول رہے۔ حصار شعب سے نکلنے کے تقریباً آٹھ ماہ بعد آپ کے چچا ابوطالب انتقال کر گئے اور اس کے تین دن بعد حضرت خدیجہؓ بھی فوت ہو گئیں۔ اس طرح آپؐ کو یکے بعد دیگرے دو شدید صدمے برداشت کرنے پڑے۔ اس سے کفار کے حوصلے مزید بڑھے اور انہوں نے آپ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں کہ ان کی مثال انسانی تاریخ میں کم ملتی ہے۔

معراج شریف

معراجِ نبویؐ اس عہد کا ایک خاص واقعہ ہے۔ ایک رات آپؐ سو رہے تھے کہ حضرت جبرئیل تشریف لائے اور آپؐ کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق آپؐ آسمانوں کی سیر کریں گے اور آپؐ کو جنت اور دوزخ کا عینی مشاہدہ کرایا جائے گا۔ حضرت جبرئیلؑ نے سب سے پہلے آپ کا سینہ مبارک چاک کیا اور آپؐ کے قلب مبارک کو ایک زریں طشت میں رکھ کر آب زمزم سے دھویا پھر ایک اور طشت آیا جس میں ایمان اور حکمت تھی وہ قلب میں بھر دیا گیا اور بعد میں اس کے اصلی مقام پر رکھ کر درست کر دیا گیا۔ اس کے بعد آپؐ کو ایک سفید براق پر سوار کرایا گیا اور کعبہ سے بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ میں لے جایا گیا۔ وہاں آپؐ نے تمام انبیاءؑ کی امامت

کی اور پھر آپؐ آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ جہاں پر مختلف آسمانوں کی سیر کی، جنت دوزخ
کے مقامات دیکھے اور خدا تعالیٰ کے قربِ حقیقی سے بہرہ یاب ہوئے۔ یہ تجربہ اہلِ عرب
کے لیے بالکل نیا تھا کیونکہ آج تک ایسی سعادت کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ اگلی صبح جب
آپ نے اس عجیب واقعہ کا ذکر لوگوں سے کیا تو کفار گمراہ کن پراپیگنڈہ کرنے لگے اور لوگوں
کو بدظن کرنے کے لیے اس سے خوب کام لیا۔ یہ واقعہ معراج نبوی کے نام سے موسوم کیا
جاتا ہے اور یہ انسان کی لامحدود ترقی اور عروج کا پتہ دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو معراج کے بلند ترین مقام پر اس لیے پہنچایا گیا کہ آپؐ نے نیکی ایثار، عبادت گزاری اور
استقامت فی الدین سے اپنے آپ کو اس انعام کے اہل بنا لیا تھا۔

بیرونِ مکہ میں تبلیغ

شروع شروع میں تو آپؐ مکہ میں ہی تبلیغ کا کام کرتے رہے اور
اس کے نتیجہ میں چند لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے پھر کئی سال
بعد آپ مکہ سے چالیس میل دُور طائف میں بنی ثقیف کی طرف تشرف لے گئے اور وہاں
کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی مگر وہاں کے لوگوں نے دعوتِ حق نہ صرف قبول کرنے
سے انکار کیا۔ بلکہ چند شرارت پسند لوگوں نے آپؐ کو بہت تکلیف پہنچائی۔ آپؐ پر پتھر
برسائے گئے اور آپ لہولہان ہو گئے۔ اس کے بعد آپؐ نے فیصلہ کیا کہ ایک ایک قبیلہ
میں فرداً فرداً پھر کر دعوتِ حق دیں گے۔ مبلغ اسلام کی ان کوششوں کا بہت اچھا
اثر ہوا اور رفتہ رفتہ فدایانِ اسلام کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

ہجرت

نبوت کا گیارہواں سال تھا۔ مکہ میں قریش آپ اور مسلمانوں کو طرح طرح کی
ایذائیں پہنچا رہے تھے۔ مسلمان چاروں طرف سے کفار میں گھرے ہوتے
اور خوف وہراس میں مبتلا تھے۔ انھیں چلنے پھرنے۔ خیالات کا اظہار کرنے اور مذہبی
فرائض کی ادائیگی میں بھی آزادی نہ حاصل تھی۔ مکہ کے مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر مدینہ
کے لوگوں نے انھیں ایک ایسے خطہ کی پیش کش کی جہاں پر انہیں ہر طرح کی آزادی میسّر

سے آسکتی تھی اور کھلے بندوں تبلیغ اسلام کے مواقع موجود تھے۔ چنانچہ ظلم وستم سے تنگ آئے ہوئے مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق خفیہ طور پر آہستہ آہستہ یثرب (مدینہ) کو ہجرت شروع کر دی۔ ہر روز دو چار مسلمان اپنے گھر بار، عزیز واقارب اور مال ومتاع کو الوداع کہہ کر یثرب کی راہ لیتے اور تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں کی تقریباً تمام آبادی مدینہ منتقل ہوگئی۔ لہٰذا سب سے آخر میں آپؐ نے ہجرت فرمانے کا ارادہ کیا۔ ادھر کفار مکہ کو بھی مسلمانوں کی ہجرت کا پتہ چل گیا تھا اور اب انھیں یہ معلوم ہوگیا تھا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت کرنے والے ہیں۔ انھیں بڑی فکر ہوئی کہ اگر یہ سب بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تو شکار جاتا رہے گا اور اسلام طاقتور اور مضبوط ہوجائے گا۔ چنانچہ سب نے مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا مگر خدا نے اُن سب کی تدبیریں خاک میں ملا دیں۔ قریش رات بھر سارے مکہ میں پہرہ دیتے رہے اور خدا نے اُن کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ آپؐ سب کے سامنے خاموشی سے رات کی تاریکی میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ روانہ ہوئے مگر کسی کو خبر نہ ہوئی۔ راستے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تین دن غارِ ثور میں گزارے اور بعد میں کئی دن کے سفر کے بعد آپؐ مدینہ سے تین میل ادھر قبا نام کی ایک بستی میں پہنچ گئے۔ اسی دوران میں حضرت علیؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال سمیت قبا پہنچ گئے۔ کفار نے آپؐ کی مکہ سے ہجرت کے بعد آپ کا تعاقب کیا تھا مگر ناکام واپس لوٹے۔ قبا میں آپؐ نے اپنے دست مبارک سے مسجدِ قبا کی بنیاد رکھی۔ قبا میں قیام کے چودہ دن بعد آپؐ نے شہر یثرب کا رُخ کیا۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ راستے میں بنی سالم کے محلہ میں دوپہر کے وقت نماز کا وقت ہوگیا۔ یہ آپؐ کی امامت میں جمعہ کی پہلی نماز تھی اور نماز سے پہلے آپؐ نے خطبہ بھی پڑھا۔ مدینہ کے لوگوں نے آپ کا بڑا پرجوش استقبال کیا۔ مدینہ کے لوگوں نے مہاجرین کو بھائیوں سے بڑھ کر عزیز جانا اور آپؐ کے فرمان کے مطابق ہر انصاری نے

ایک ایک مہاجر کو اپنا بھائی بنایا اور اخوت کا پورا حق ادا کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں مہاجرین و انصار شیر و شکر ہو چکے تھے اور وہ آپس میں ایسے رہنے لگے جیسے پشت ہا پشت سے اسی دیار میں رہتے چلے آ رہے ہیں اور جو ان کے قبضہ میں ہے انہیں ورثہ میں ملا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے ہجرت فرمانا بڑی حکمتوں اور مصلحتوں کا باعث بنا اور ترقی اسلام کے لیے آپؐ کا یہ قدم نہایت دور رس نتائج کا حامل ثابت ہوا۔ مسلمان اب ہر طرح سے تبلیغ کے لیے آزاد تھے اب اُن کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ مزید بر آں ہجرت فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وطن، گھر بار، کاروبار مال و دولت اور خاندانی تعلقات پر اسلام اور اشاعت توحید کی فضیلت عملاً ثابت کر دی اور آنے والی نسلوں کے لیے راہ سُنت بتا دی کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں اگر گھر بار، عزیز و اقارب اور ملک و وطن کو بھی قربان کرنا پڑے تو بلا تامل ایسا لازم ہے۔

مدینہ پہنچ کر مسلمان آرام سے نہیں بیٹھے۔ ہر طرف مخالفت تھی۔ مدینہ میں یہود کا خطرہ تھا تو مکہ کی طرف سے قریش کا اور وُہ موقع ملنے پر اسلام کے ان چند نام لیواؤں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایسے نامساعد حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اپنا کام شروع کیا۔ لیکن آپؐ کا حُسنِ تدبر اور پیغمبرانہ فہم و فراست ان تمام مصائب پر غالب آئی اور آپؐ کے صبر و تحمل، ایمان و توکل اور بردباری نے اسلام کی تبلیغ کے لیے تمام راہیں ہموار کر دیں۔ آپؐ نے یہاں کے مقامی کفار، مکہ کے کفار عرب کے یہود اور منافقین مدینہ سے بیک وقت بڑی بُردباری سے مقابلہ کیا۔ آنحضرتؐ یہود و قریش کی عادات و اطوار سے اچھی طرح واقف تھے چنانچہ آپؐ نے مسجد نبویؐ اور اپنے حجروں کی تعمیر کے بعد فوراً مدینہ کے دفاع اور کفار سے مقابلہ کی طرف توجہ کی۔

سب سے پہلے آپؐ نے یہود سے ایک دوستانہ معاہدہ کیا جس سے وقتی

طور پر مدینہ میں کامل سکون ہوگیا اور آپؐ کو آس پاس کے قبیلوں کے ساتھ دوستانہ ماحول پیدا کرنے اور اسلام کی اشاعت کرنے کا کافی موقع مل گیا۔ اسی طرح پہلے جہینہ کے قبیلہ سے اور پھر حمزہ سے صلح اور دوستی کے معاہدے کیے۔ اس کے تین چار ماہ بعد آپؐ نے بنی مُدلج کے قبیلہ سے بھی دوستی کا معاہدہ کرلیا۔ یہ معاہدے ایک طرف آپؐ کی امن پسندی اور صلح جوئی کی نشاندہی کرتے تھے اور دوسری طرف سیاسی بلند نظری اور حریّت پسندی کے مظہر تھے۔

جنگِ بدر ۲ھ

قریشِ مکہ کو اسلام کی ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی اور وہ اس موقع کی تاک میں تھے کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں سے ٹکر لی جاتے۔ اتفاق سے ان دنوں مکہ کے کچھ لوگوں کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ کے قریب سے گزرا اور مسلمانوں نے بغیر آنحضرتؐ کے ایماء کے اس قافلہ کو لوٹ لیا۔ مکہ کا ایک شخص عمرو بن حضرمی مارا گیا اور دو گرفتار کیے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ پر ناراضگی کا اظہار کیا مگر یہی واقعہ جنگِ بدر کا سبب بن گیا۔

مکہ کے قریش بدلہ لینے کی خاطر ایک ہزار بہادروں کے لشکر اور جنگی ساز و سامان کے ساتھ ابوجہل اور عقبہ کی زیر کمان مدینہ کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قریش کے ارادوں کی خبر پائی تو ۳۱۳ جانباز مجاہدین کو لے کر شہر سے نکلے اور وادی بدر کے دوسرے سرے پر پہنچ کر رُک گئے۔ ان جانبازوں کے پاس پورا اسلحہ بھی نہیں تھا۔ اگلی صبح کو دونوں فوجیں میدانِ جنگ میں آمنے سامنے تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی کثرت دیکھی تو بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوکر فتح و نصرت کی دُعا کی کہ اے خدا! اگر یہ مٹھی بھر مسلمان مٹ گئے تو پھر زمین پر تیرا نام لیوا کوئی باقی نہ رہے گا اور اس جوش و خروش سے کوئی تجھے قیامت تک یاد نہ کرے گا۔

اِس کے بعد حق و باطل کے اس سب سے پہلے تاریخی معرکے کا آغاز ہوا

سب سے پہلے عمرو بن حضرمی کا بھائی عامر اپنے مقتول بھائی کے خون کا دعویٰ لے کر آگے بڑھا۔ ایک غلام مسلمان اس کے مقابلہ میں نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے عامر جہنم رسید ہوا۔ اس کے بعد عتبہ جو قریش کے لشکر کا سردار تھا بڑی شان سے نکلا اس کے ساتھ ولید اور شیبہ بھی آگے بڑھے۔ مسلمانوں کی طرف سے تین انصاری مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ نے ان کو دیکھ کر پکارا محمدؐ! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔ لہٰذا آپؐ کے فرمانے پر وہ تینوں پیچھے ہٹ گئے اور اب حضرت حمزہؓ، حضرت علی مرتضےٰ اور حضرت عبیدہ میدان میں آئے۔ عتبہ نے حضرت حمزہؓ سے اور ولید نے حضرت علیؓ سے مقابلہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے جہنم واصل ہوئے۔ شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ آگے بڑھے اور ایک ہی وار میں شیبہ کا کام تمام کر دیا۔ پھر حضرت زبیرؓ نے سعید بن العاص کا مقابلہ کیا اور ایسی برچھی تان کر ماری کہ وہ دھم سے زمین پر آ رہا۔

اس کے بعد عام مقابلہ شروع ہو گیا۔ دونوں اطراف سے نبرد آزما جی توڑ کر لڑے۔ انصار کے دو ننھے مجاہد ابوجہل کی طرف ایسے جھپٹے کہ وہ ابھی سنبھل نہ سکا تھا کہ جسم دو ٹکڑے ہو کر زمین پر آگرا۔ عتبہ پہلے ہی مارا جا چکا تھا اب ابوجہل کا مارا جانا تھا کہ قریش کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ قریش کے ستر بڑے بڑے رئیس میدانِ جنگ میں مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ مسلمانوں میں صرف چودہ جانباز شہید ہوئے۔ بدر کی فتح نے عرب کی سیاست کا پانسہ پلٹ دیا۔ اب مسلمان صرف ایک مذہب اور محض روحانی اور اخلاقی اصولوں کے داعی نہ تھے بلکہ ایک اٹھتی ہوئی سیاسی قوت بھی تھے جن کا مقصد نہ صرف عرب کی چھوٹی چھوٹی سینکڑوں بے نظام ریاستوں کی جگہ ایک مضبوط اور باقاعدہ حکومت قائم کرنا تھا۔ بلکہ قیصر و کسریٰ کی ظالمانہ حکومتوں کو مٹا کر دنیا میں عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کی ریاست اور الٰہی حکومت قائم کرنا تھا۔

جنگِ اُحد ۳ھ

غزوۂ بدر میں حق و باطل کے معرکہ میں کفر کی شکست

سے قریش کی جوشِ انتقام کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔ چنانچہ قریش نے اگلے سال دوبارہ حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور تین ہجری میں مدینہ کے پاس پہنچ کر اُحد پہاڑ کے پاس پڑاؤ ڈال لیا۔ تیسرے دن جمعہ کی نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ساتھ لے کر مقابلے کے لیے نکلے۔ مسلمانوں نے اُحد پہاڑ کو بیٹھ پیچھے رکھ کر اپنی صفیں درست کیں۔ پہاڑ میں ایک درہ تھا۔ جدھر سے ڈر تھا کہ دشمن اگر حملہ نہ کر دے اس لیے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ اُس کی حفاظت کے لیے متعین کر دیا گیا اور آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ لڑائی کا نقشہ خواہ کچھ ہو جائے تم اپنی جگہ سے ہرگز نہ ہٹنا۔ تھوڑی دیر بعد قریش کے لشکر کے سپہ سالار طلحہ نے آگے نکل کر نعرۂ جنگ بلند کیا تو حضرت علیؓ اُس کے مقابلہ میں نکلے اور بڑھ کر ایسی تلوار ماری کہ وہ آنِ واحد میں کٹ کر زمین پر آ رہا اُس کے بعد اُس کا بیٹا آگے بڑھا تو حضرت حمزہؓ نے اُس کا خاتمہ کر دیا اب عام جنگ شروع ہو گئی حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ اور ان میں کھلبلی مچ گئی۔ چند گھنٹوں کے مقابلے سے دشمنوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور میدان میں لوٹ مار کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ دیکھ کر درّہ پر متعین تیر انداز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نظر انداز کر کے نیچے اتر آئے۔ خالد بن ولید نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے جب پلٹ کر دیکھا تو اپنے دستے کو لے کر پیچھے سے مسلمانوں پر باز کی طرح آ پڑے یہ دیکھ کر کفار کی بھاگتی ہوئی فوج نے بھی دوسری جانب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملہ سے مسلمانوں میں گھبراہٹ پھیل گئی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت مصعبؓ بن عمر جن کی شکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ملتی تھی۔ شہید ہو گئے تو کفار نے مشہور کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مارے گئے۔ اس افواہ سے مسلمانوں کی صفیں بے ترتیب ہو گئیں۔ کفار کا زیادہ دباؤ اس طرف تھا جہاں آپؐ کھڑے تھے مگر حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ نے آپؐ کو گھیرے میں لے لیا اور قریش کے وار روکتے رہے۔ اس اثنا میں چند مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو دُور سے دیکھ لیا۔ آپؐ کو دیکھ کر ان میں نیا جوش اور ولولہ پیدا ہُوا لہٰذا انہوں نے سب مسلمانوں کو بلا کر اللہ اکبر کے نعروں سے کفار پر حملہ بول دیا۔ آپؐ اور چند صحابہؓ قریبی پہاڑی پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے اور ان مسلمانوں نے کفار پر اوپر سے تیر اور پتھر برساتے اس طرح کئی گھنٹے کے مقابلہ کے بعد کفار کا زور ٹوٹا اور وہ پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ اس جنگ میں اگرچہ مسلمانوں کو بالآخر فتح نصیب ہوئی مگر انھیں نقصان بھی بہت اٹھانا پڑا۔ ستر کے قریب صحابیؓ شہید ہو گئے جس میں حضرت حمزہؓ جیسی مقتدر ہستیاں بھی شامل تھیں اور خود جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دانت شہید ہو گئے اور آپؐ کے چہرہ مُبارک پر بھی زخم آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی سے مجاہدین اسلام کو ایسی زک اٹھانا پڑی کہ تمام عمر نہ بھُولے۔

یہود سے مقابلہ شروع شروع میں یہودیوں نے مسلمانوں سے دوستی پیدا کر لی تھی اور آپؐ سے صلح کا معاہدہ کر لیا مگر اسلام کی ترقی انہیں ایک آنکھ نہ بھائی اور وہ مکہ کے قریش اور مدینہ کے منافقوں سے ساز باز کرنے لگے اور ہر وقت مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی سوچنے لگے۔ معاہدہ کی رُو سے اُن پر لازم تھا کہ وہ مسلمانوں کے شانہ بشانہ حملہ آور کا مقابلہ کریں مگر اُن کا سردار عبداللہ بن اُبی عین وقت پر اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر الگ ہو گیا اور معاہدہ کی کھلی خلاف ورزی کی۔ لہٰذا ان آستین کے سانپوں سے نپٹنا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ یہود مسلمانوں سے طرح طرح کی شرارتیں کرنے میں مصروف تھے۔ مسلمانوں نے تنگ آکر پہلے یہود کے قبیلہ بنو قینقاع کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو وہ قلعہ میں بند ہو کر مقابلہ کرنے لگے مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ پندرہ دن کے بعد یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم صادر فرمایا۔ قبیلہ بنو قینقاع سے نجات کے بعد دوسرے یہودی قبیلہ بنو نضیر نے مسلمانوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں چنانچہ اُن

سے نپٹنا بھی ضروری تھا مگر وہ بھی بنو قینقاع کی طرح قلعہ بند ہو گئے اور پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے اور صلح کی درخواست کی۔ آپؐ نے اُن کی درخواست منظور کر لی مگر سزا کے طور پر انہیں بھی جلاوطن کر دیا۔ اِس طرح مسلمانوں کو یہودیوں کی سازشوں سے نجات مل گئی۔ اب مدینہ میں صرف ایک یہودی قبیلہ بنی قریظہ رہ گیا، لیکن انہیں کچھ نہ کہا گیا کیونکہ ابھی تک یہ قبیلہ معاہدہ کی پابندی کر رہا تھا۔

جنگِ خندق ۵ھ

قبیلہ بنی نضیر کو جب مدینہ سے اُن کی سازشوں کی بنا پر نکال دیا گیا تو خیبر میں پہنچ کر انہوں نے دور و نزدیک کے قبائل سے اِسلام کے خلاف جوڑ توڑ شروع کر دیا اور ایسے تمام قبائل کو ساتھ ملا کر ایک متحدہ محاذ قائم کر لیا۔ اِس کے بعد انھوں نے مکہ کے کفار سے بھی ساز باز کر کے انھیں ساتھ ملا لیا اور چوبیس ہزار کا ایک متحدہ لشکر لے کر مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ کفار کی ان چالوں سے مسلمان بھی بے خبر نہ تھے۔ جب دُشمن کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمانؓ فارسی نے جو ایران کے رہنے والے تھے اور جدید جنگی اصولوں سے واقفیّت رکھتے تھے۔ یہ رائے دی کہ چونکہ تین اطراف سے مدینہ گھروں اور نخلستانوں سے گھرا ہُوا ہے اور ان اطراف سے حملے کا خطرہ نہیں۔ لہٰذا جس طرف سے راستہ کھُلا ہے اُدھر ایک گہری خندق کھود دی جائے اور خندق کے اس طرف رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ سب نے اس مشورہ سے اتفاق کیا۔ چنانچہ آپؐ نے تین ہزار مسلمانوں کو ساتھ لے کر خندق کھودنے کا کام شروع کر دیا۔ لہٰذا تین ہزار مقدس نفوس نے اِس کام کو بیس دن میں مکمل کر لیا اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خندق کی کھدائی میں مزدوروں کی طرح کام کیا۔ اِس لڑائی میں دُشمن نے بیس دن تک مدینہ کا محاصرہ کیے رکھا۔ ہر طرف سے ناکہ بندی بھی کی مگر پھر بھی حملہ کرنے کے قابل نہ ہو سکا۔ ایک دن قریش کا سب سے بہادر جرنیل عمرؔ بن وُدّ کسی جگہ سے خندق کی چوڑائی کم پا کر اپنے گھوڑے سمیت پار اُتر آیا

مگر حضرت علیؓ نے فوراً آگے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا جب محاصرہ نے
طول پکڑا تو دشمن کے قبائل میں پھوٹ پڑنے لگی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ انہی دنوں میں ایک
رات کو ایسی شدید آندھی چلی کہ کفار کے خیمے اکھڑ گئے۔ لہٰذا قریش سمیت تمام قبائل نے بد دل
ہو کر محاصرہ چھوڑ دیا اور چند دن کے اندر اندر مدینہ کا قرب و جوار اسلام دشمن افواج کے
وجود سے بالکل پاک ہو گیا۔ کفار کی اس بری طرح ناکامی سے ان کے دلوں پر مسلمانوں کا
رعب و دبدبہ اور بڑھ گیا اور اب وہ ان کی جنگی مہارت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے۔

اس لڑائی کے دوران مدینہ کے یہودی قبیلہ بنی قریظہ نے کفار کا ساتھ دیا تھا اور عورتوں
کے قلعہ پر حملہ کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ لہٰذا ان سے دو ہاتھ کرنا بھی ضروری ہو گیا تھا۔
یہودی فوراً قلعہ بند ہو گئے۔ ایک ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر ان کے سرداروں نے
ہتھیار ڈالنے میں ہی خیریت جانی۔ مگر اوس قبیلہ کے ایک مسلمان سردار سعد بن معاذؓ نے
یہ فیصلہ دیا کہ قبیلہ بنی قریظہ کے جو مرد لڑنے کے قابل ہیں انھیں قتل کر دیا جائے اور عورتیں
اور بچوں کو قید میں ڈال دیا جائے اور ان کا تمام مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔
چنانچہ اس تجویز پر عمل کیا گیا اور اس طرح مدینہ اور حجاز کی سرزمین شریر یہود اور سرمایہ دار
مہاجن کے وجود سے بالکل پاک ہو گئی۔

صلح حدیبیہ ۶ھ

اسلام کی ترقی میں سب رکاوٹیں اب آہستہ آہستہ
دور ہو گئیں تھیں اور مدینہ میں اب اسلام کا مکمل اجتماعی
نظام قائم ہو گیا تھا۔ دور نزدیک سے لوگ آکر اسلام قبول کر رہے تھے مکہ کے مہاجر جب
سے مدینہ آئے تھے حج اور طواف کعبہ سے شرف یاب نہ ہوتے تھے لہٰذا اب ان سب
کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمیت یہ خواہش تھی کہ مکہ جائیں اور کعبہ کی زیارت کریں۔
اس ارادہ سے آپ ذی قعدہ ۶ھ میں لگ بھگ چودہ سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر
مکہ روانہ ہوئے۔ لڑائی کی بالکل نیت نہ تھی۔ تلوار کے سوا اور کوئی ہتھیار ساتھ لے جانے

کی اجازت نہ تھی اور تلواروں کو بھی نیام میں رکھنے کا حکم تھا۔ البتہ قربانی کے لیے اونٹ لے جانے کی اجازت تھی۔ ادھر جب مکہ میں قریش کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ یہ سمجھے کہ مسلمان حملہ کی غرض سے مکہ پر چڑھائی کر رہے ہیں چنانچہ انھوں نے بھی مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مکہ سے تھوڑی دُور ایک مقام حدیبیہ پر پہنچ کر آپؐ نے پڑاؤ ڈالا اور ایک سفیر قریش کی طرف بھیجا جس نے قریش کو جا کر سفر کا مقصد بتایا اور کہا کہ ہم صرف عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں لڑائی کا ہرگز خیال نہیں مگر قریش نہ مانے لہٰذا سفیروں کی آمد و رفت جاری رہی۔ بالآخر بات صلح نامہ پر ختم ہوئی جسے صلح نامہ حدیبیہ کہتے ہیں۔ اِس کی شرائط یہ ہیں۔

۱۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں اور اگلے سال تین دن کے لیے حج کی غرض سے آئیں۔

۲۔ تلوار کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو اور وہ بھی نیام میں رہے۔

۳۔ مکہ میں جو مسلمان رہ گئے ہیں جاتے وقت ان کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔

۴۔ عرب کے قبائل میں سے جو جس فریق سے چاہے معاہدہ میں شریک ہو سکتا ہے۔

۵۔ قریش میں سے اگر کوئی مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے تو اُسے واپس کرنا ہوگا اور اگر کوئی مسلمان مدینہ چھوڑ کر مکہ چلا جائے تو واپس نہ ہوگا۔

۶۔ صلح دس سال کے لیے کی جاتی ہے۔

یہ شرائط اگرچہ قدرے سخت تھیں مگر آپؐ نے ان کو مان لیا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کے فائدے منظرِ عام پر آنے لگے۔ بعد میں ہونے والے واقعات کی رُو سے یہ صلح نامہ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی تدبر اور فہم و فراست کا شاہکار کہا جا سکتا ہے۔

اس عرصہ میں قریش کی طرف سے کچھ سکون ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اردگرد کے شہروں اور ہمسایہ ممالک کے بادشاہوں کو دعوتِ حق کا پیغام بھجوایا جس سے بڑے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔

صلح مکہ ۸ھ

صلح نامہ حدیبیہ کی ایک شرط یہ تھی کہ عرب قبائل سے جو قبیلہ چاہے مسلمانوں سے دوستانہ معاہدہ کر سکتا ہے اور جو چاہے قریش سے۔ مکہ کے قریب بنو خزاعہ اور بنو بکر دو قبیلے آباد تھے۔ بنو خزاعہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کر رکھا تھا جس میں جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کی امداد بھی شامل تھی چنانچہ کسی معمولی بات پر بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے بھی اُن کی مدد کی۔ حالانکہ معاہدہ کی رُو سے انہیں غیر جانبدار رہنا چاہیے تھا۔ بنو خزاعہ کے چند آدمیوں نے بھاگ کر خانہ کعبہ میں پناہ لینا چاہی مگر بنو بکر اور قریش نے ان کا وہاں بھی تعاقب کیا جب یہ داستانِ ظلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپؐ کو بہت دُکھ ہُوا۔ حلیف ہونے کی صورت میں بنو خزاعہ کی امداد فرض تھی۔ چنانچہ مندرجہ ذیل سطور کے ساتھ ایک قاصد کو مکہ روانہ کیا گیا اور کہا ان میں جو پسند ہو اختیار کریں۔

۱۔ بنو خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا روپے کی صورت میں ادا کر دیں یا

۲۔ بنو بکر کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں یا

۳۔ اعلان ہو جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔

قریش کے مغرور سرداروں نے پہلی دو تجاویز کو نظر انداز کر دیا اور تیسرے کے تحت معاہدہ کی منسوخی کا اعلان کر دیا۔

چنانچہ بنو خزاعہ کی امداد اور کفار مکہ سے نبرد آزما ہونے کا فیصلہ کر لیا گیا اور ۸ھ کو دس ہزار جری مسلمانوں کی فوج مکہ کی طرف بڑھی۔ کفار میں مسلمانوں کے اس لشکر جرار سے مقابلہ کی سکت نہ تھی۔ راستے میں کسی نے بھی بالکل مزاحمت نہ کی اور مسلمانوں کے دستے شہر کے مختلف راستوں سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرتے اندر داخل ہوئے۔ آپؐ نے سب کافروں کو عام معافی دینے کا اعلان کر دیا اور آپؐ کے اس اخلاق سے بڑے سے بڑے کافر اور منکرِ اسلام بھی آپؐ کے گرویدہ ہو گئے۔ اِس طرح مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کی راہیں ہر ایک پر کھُل

گئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں تشریف لے گئے۔ اسے بتوں سے پاک کیا اور اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا۔ پھر چند روز قیام کر کے مکہ شہر کا نظم و نسق مسلمانوں کے سپرد کر کے اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ واپس آ گئے۔

آخری حج اور خطبہ

سنہ ۱۰ھ تک تقریباً سارے عرب میں اسلام پھیل چکا تھا اور فتح مکہ کے بعد عرب قبائل دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ دَور آپؐ کے لیے بڑی مصروفیت کا دَور تھا ہر روز چاروں طرف سے وفود آتے اور آپؐ سارا دن مسجد نبوی میں بیٹھ کر ان کو اسلام کی تعلیم دیتے اور خدا کے احکام سناتے اور باقی وقت عبادت میں گزر جاتا۔ اب سارا عرب جو ایک زمانے میں ہزاروں قبائل میں بٹا ہوا تھا متحد ہو کر اسلام کا علمبردار بن چکا تھا چنانچہ آپؐ جس مقصد کے لیے تشریف لائے تھے وہ پورا ہو چکا تھا لہٰذا سنہ ۱۰ھ میں آپؐ نے حج کا ارادہ ظاہر کیا اور یہ خبر سنتے ہی ہزاروں بندگانِ خدا اور فدایانِ رسولؐ آپؐ کے ساتھ حج کے لیے تیار ہو گئے چنانچہ ۵ ذوالحجہ کو آپؐ ایک لاکھ مسلمانوں کو ساتھ لے کر مکہ میں حج کی غرض سے داخل ہوئے۔ مکہ پہنچ کر مناسکِ حج ادا کرنے سے قبل ۸ ذوالحجہ کو آپؐ نے وہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا، جو الوداعی خطبہ کہلاتا ہے اور جس کو پڑھ کر قیامت تک مسلمانوں کے دل ایمان سے منوّر ہوتے رہیں گے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا!

"لوگو! تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسا کہ آج کے دن تم اس شہر کی اور اس مہینے کی عزت کرتے ہو۔

تمہیں عنقریب خدا کے حضور حاضر ہونا ہے اور وہاں تمہارے اعمال کی باز پرس ہوگی

لوگو! تمہارے عورتوں پر کچھ حقوق ہیں اور عورتوں کے تم پر حقوق ہیں۔ عورتوں کے ساتھ مہربانی اور محبّت سے پیش آؤ، کیونکہ خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا

اور خدا کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال کیا۔ امانتوں میں خیانت نہ کرو اور گناہ سے بچے رہو۔ سود حرام ہے۔ آج کے بعد مقروض صرف اصل ادا کرے گا اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان عباس بن عبدالمطلب کا سُود معاف کرتا ہوں۔ زمانہ جاہلیت کے تمام جھگڑے مٹائے جاتے ہیں اور سب سے پہلے مَیں خود ربیعہ بن عبدالمطلب کا خون معاف کرتا ہوں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو انہیں وہی کھانا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور اگر ان سے کوئی غلطی ہو جائے تو اگر تم معاف نہ کر سکو تو ان کو جدا کر دو۔ کیونکہ وُہ خدا کے بندے ہیں اور ظلم کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔ لوگو! جان رکھو کہ سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کوئی چیز جو ایک بھائی کی ملکیت ہے۔ دوسرا بھائی نہیں لے سکتا جب تک کہ وُہ خوشی سے نہ دے اپنے آپ کو بے انصافی سے بچائے رکھو، جو لوگ موجود ہیں وُہ ان لوگوں کو جو موجود نہیں یہ الفاظ پہنچا دیں کیونکہ ممکن ہے وُہ لوگ جنہیں بتایا جائے ان لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں جنہوں نے اپنے کانوں سے نہیں سُنا ہے۔

خطبہ ختم کرنے کے بعد آپ نے فرمایا "اے خُدا! مَیں نے تیرا پیغام پہنچا دیا اور اپنا کام پُورا کر دیا۔ تمام لوگ پکار اُٹھے بے شک آپؐ نے اپنا کام پورا کر دیا اور ان الفاظ کے ساتھ آپؐ نے خطبہ ختم فرمایا جب آپؐ کا یہ بے مثال خطبہ ختم ہُوا تو یہ وحی نازل ہُوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

آج مَیں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی ہے اور تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسند کیا ہے۔

علالت اور وفات

مکہ سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد آپؐ کی طبیعت ناساز ہوئی مگر معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ جب طبیعت

زیادہ بگڑی تو آپؐ نے بیماری کے ان ایام میں رہائش کے لیے حضرت عائشہ کا گھر جو مسجد نبویؐ سے بالکل متصل تھا منتخب کیا اور حد درجہ کمزوری اور ناتوانی کے باوجود وصال سے تین دن قبل تک نماز کی امامت فرماتے رہے اور اس کے بعد آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت کے فرائض سونپے۔ ان ایام میں صحابہ آپؐ کے گھر مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوتے تو آپؐ ان کو اسلام کے احکام سناتے اور نصیحتیں فرماتے اور باقی وقت خدا کی یاد میں محو رہتے آخر ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ دوشنبہ کی دوپہر کو آپؐ اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے اور اس طرح توحید کی سب سے بڑی علمبردار ہستی اور شمع رسالت اس دنیا سے اُٹھ گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

آپؐ کی وفات کے بعد صحابہ اکرامؓ نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنا خلیفہ چن لیا اور جناب صدیق اکبر نے اسلام کے خلیفہ اوّل کی حیثیت سے دُنیا کی پہلی اسلامی سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔

چوتھا باب

خلافتِ راشدہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ

خلیفہ منتخب ہونے کے دوسرے دن حضرت ابوبکر صدیقؓ (۲۶ اگست ۶۳۲ء) نے مسجد نبویؐ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا "اگر میں مفید کام کروں تو میرے ساتھ تعاون کرو اور اگر میں غلطی کروں تو مجھے مشورہ دو جس شخص کے سپرد حکومت کا کام ہو اُسے سچی بات بتانا وفاداری ہے اور اس سے سچی بات چھپانا بغاوت ہے اگر میں خدا اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر میں ان کی نافرمانی کروں تو پھر تم پر میری اطاعت لازم نہیں"۔ آپ کی خلافت کا آغاز اس جوابی انقلاب کے انسداد سے ہوا جو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حصّوں میں ارتداد، زکوٰۃ سے انکار اور نبوّت کے دعوے داروں کی صورت میں ظاہر ہو چکا تھا۔ ایک مرتبہ پھر تنہا مدینۃ النبی کو سارے جزیرہ نما کی قبائلی شورشوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ آپ نے سب سے پہلے شام کی مہم کو اسامہ بن زید کی کمان میں جاری کیا۔ اس فوج کو رخصت کرتے وقت آپ نے سپاہیوں کو ہدایت کرتے ہوئے کہا کہ "بوڑھوں، بچّوں اور عورتوں کو قتل نہ کریں، ہرے بھرے اور پھل والے درختوں کو نہ کاٹیں، صرف خوراک کے لیے جانوروں کو ذبح کریں اور جو ان کی پناہ میں آئے اُسے قتل نہ کریں۔ اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو وُہ تمہاری حفاظت کرے گا"۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان الفاظ پر اپنی تقریر ختم کی۔ چالیس دن بعد یہ مہم کامیابی حاصل کرنے کے بعد مدینہ پہنچی۔ اس کامیابی نے ایک طرف تو بیرونی قوتوں کے دل پر عربوں کا خوف بٹھا دیا اور دوسری طرف اندرونی شورش پسندوں کو مسلمانوں کی قوت کا یقین ہو گیا۔

مسیلمہ، اسود عنسی، طلیحہ بن خویلد اور سجاح بنت خویلد مدعیان نبوت میں سے تھے۔ ان مدعیان نبوت کی قوت توڑنے کے بعد مرتد قبائل کا استیصال کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی منکرین زکوٰۃ کی تادیب کی گئی۔ شورش پسندوں کی سرکوبی کرنے کے بعد خالد بن ولید مدینہ آ رہے تھے کہ انہیں عراق جانے کا حکم دیا گیا۔ شمال مشرقی عرب میں شورش دبانے کے دوران میں حیرہ کی ریاست کے بدوی قبائل سے بھی مسلمانوں کا تصادم ہو جاتا تھا۔ حیرہ کی عرب ریاست پر ایران کا اقتدار تھا۔ اس تصادم کا ایرانی حکومت پر ردعمل یقینی تھا چنانچہ خالد بن ولید نے حیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اب ایرانی حکومت کو خطرے کا احساس ہوا چنانچہ عربوں کو کلدہ سے نکالنے کے لیے ایک بہت بڑی فوج بھیجی گئی۔ اسی اثنا میں خالد بن ولید کو شام کی مہم پر بھیجا جا چکا تھا۔ ایرانیوں کی فوج کی یلغار کی خبر پا کر مثنیٰ کمک حاصل کرنے کے لیے مدینہ پہنچا

حضرت عمرؓ فاروق

انہی ایام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کی جگہ حضرت عمرؓ (۶۳۴ - ۶۴۴ء) خلیفہ تسلیم کیے جا چکے تھے۔ آپ نے ابو عبید کی کمان میں عراق کی مہم کے لیے کمک بھیجی۔ ابو عبید نے مثنیٰ کے مشورے کے بغیر ایک مقام پر ایرانیوں سے لڑائی شروع کر دی، جس میں عربوں کو شکست ہوئی۔ ابو عبید بھی اسی لڑائی میں شہید ہو گئے۔ اب مثنیٰ نے بڑھ کر پھر حیرہ پر قبضہ کر لیا۔ ایران اور عرب ایک دوسرے سے ٹکر لینے کی پوری تیاریوں میں مصروف تھے۔ ایرانی فوج کی کثرت کی بنا پر مثنیٰ کو پھر حیرہ چھوڑنا پڑا۔ اب عرب فوج صحرا میں کمک کا انتظار کرنے لگی اسی اثنا میں مثنیٰ کی موت واقع ہو گئی۔ اب سعد بن وقاص کمک لے کر پہنچ گئے۔ انہیں عراقی محاذ کا کمانڈر بنا دیا گیا۔ سعد بن وقاص کی فوج کے سپاہیوں کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ قادسیہ کے میدان میں تین دن تک شدید لڑائی ہوتی رہی۔ چوتھے دن ایرانی جرنیل میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ قادسیہ میں فتح حاصل کرنے کے بعد کلدہ اور عراق پر عربوں کا پورا پورا قبضہ ہو گیا لیکن کلدہ پر اس وقت تک مستقل قبضہ نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ مدائن

میں مہران اپنی فوجوں سمیت ڈیرے ڈالے موجود تھا۔

اِدھر قادسیہ میں عربوں اور ایرانیوں میں فیصلہ کن لڑائی ہو رہی تھی اُدھر مدینہ میں حضرت عمرؓ اس لڑائی کا نتیجہ سننے کے لیے ہر روز مدینہ سے باہر نکل کر قاصد کا انتظار کرتے۔ آخر ایک دن سعد بن وقاص کا قاصد نہایت تیزی سے مدینہ کی طرف آتے ہوئے انہیں مل گیا۔ آپ نے قاصد سے قادسیہ کی لڑائی کے حالات پوچھے، قاصد چونکہ جلد از جلد امیر المومنین تک پہنچنا چاہتا تھا اس لیے وہ سواری پر ہی سے حالات بیان کرتا گیا اور حضرت سواری کے ساتھ ساتھ دوڑتے جاتے تھے۔ جب سوار اور پیادہ دونوں شہر میں داخل ہوئے تو قاصد کو یہ جان کر بڑی پریشانی ہوئی کہ اس کی سواری کے ساتھ ساتھ دوڑنے والے امیر المومنینؓ ہی تو تھے۔ "کوئی بات نہیں، تم حالات سناتے جاؤ" امیر المومنین نے اپنے جرنیل کے قاصد سے فرمایا۔

قادسیہ میں شکست کھانے کے بعد ایرانی فوج بابل میں جمع ہو گئی تھی۔ سعد بن وقاص نے ایرانیوں کو شکست دے کر بابل پر قبضہ کر لیا۔ اب ایرانی جرنیل مہران، مدائین کی حفاظت کے لیے وہاں پہنچ گیا۔ ہرمزان اہواز کی طرف بھاگ نکلا، فیروزان، ایرانی سلطنت کے خزانوں کی حفاظت کے لیے نہاوند کی طرف چل دیا۔

اب سعد بن وقاص ایران کی راجدھانی مدائین کی طرف بڑھا۔ مدائین، دجلہ کے دونوں کناروں پر پھیلا ہوا تھا۔ مغربی حصہ سلوشیا کہلاتا تھا اور مغربی حصے کا نام طیفون تھا۔ دونوں شہروں کو ملا کر مدائین کہا جاتا تھا۔ عرب کے صحرائی اب مدائین کے شاہی محلات کی طرف بڑھے۔ ایرانیوں نے عربوں کو روکنے کے لیے دجلہ کا پل توڑ دیا۔ سعد بن وقاص نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے اپنا گھوڑا دجلہ میں ڈال دیا، ہزاروں گھوڑے دجلہ میں اتر پڑے۔ ان زندہ کشتیوں کو دیکھ کر ایرانی فوج مدائین سے بھاگ نکلی۔ عرب فوجیں شاہی ایوانوں میں داخل ہوئیں۔ طاقِ کسریٰ میں پڑے ہوئے شاہی تخت کو توڑ کر اس کی جگہ ایک سادہ منبر نصب کر کے مسلمانوں نے نمازِ جمعہ ادا کی۔ شاہی ایوانوں کا ساز و سامان مدائین سے مدینہ پہنچا دیا گیا۔

ایران کا مشہور و معروف قالین "فرش بہار" ٹکڑے ٹکڑے کر کے عوام میں تقسیم کر دیا گیا۔ وہ منظر کتنا عبرت ناک ہوگا جب امیر المومنین کے حکم سے نوشیرواں کا شاہی لباس مدینہ کے ایک معمولی انسان کو پہنایا گیا۔

سعد بن وقاص نے مدائن کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا کر عراق کا نظم و نسق شروع کر دیا لیکن شاہِ ایران ابھی عربوں سے ایک مرتبہ پھر لڑنا چاہتا تھا چنانچہ مدائن سے پچاس میل شمال مشرق میں جلولا میں دونوں فوجیں متصادم ہوئیں۔ ایرانیوں نے پھر شکست کھائی جلوان پر عربوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد ایران اور عرب میں صلح ہو گئی۔ اب عربوں نے مفتوحہ علاقوں کے نظم و نسق اور نئے شہر بسانے کی طرف توجہ کی۔ شط العرب کے کنارے بصرہ آباد کیا گیا۔ فرات کے مغربی کنارے پر کوفہ بسایا گیا۔ ان دونوں شہروں کو نقشوں کے مطابق آباد کیا گیا۔ گلیاں اور بازار سیدھے تھے اور دونوں شہروں میں باغوں کی کثرت تھی۔

صلح کے زمانہ میں بھی ایران کی طرف سے فوجی سرگرمیاں جاری رہتی تھیں یزدجرد شاہِ ایران نے پھر فیصلہ کیا کہ عربوں سے ایک مرتبہ پھر زور آزمائی کرے چنانچہ ایران میں بڑے زوروں سے جنگی تیاریاں ہونے لگیں جب ان تیاریوں کی خبر مدینہ پہنچی تو وہاں سے مزید کمک بھیجی گئی۔ نہاوند کی لڑائی (۶۴۲ء) میں ایرانیوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ دارا کی طرح یزدجرد بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ سر چھپاتا پھرا اسپیان تک کہ ترکستان کے ایک دور افتادہ گاؤں میں قتل ہوا نہاوند کی لڑائی کے بعد عربوں اور ایرانیوں میں چند ایک معرکے ہوئے جن میں ہر مرتبہ ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ ایران اور ایرانی سلطنت کے کئی صوبوں پر عربوں کا قبضہ ہو گیا۔ عراق کی طرح ایران کے کسانوں کو بڑے بڑے جاگیرداروں (دہقانوں) سے رہائی دلانے کے لیے اقدامات کیے گئے۔ مالیہ کی شرح کو پہلے سے کم کیا گیا۔ پرانے اور ٹوٹے ہوئے تالابوں کی مرمت کرائی گئی۔ ضرورت کے مطابق نئے تالاب بھی بنواتے گئے۔ ایرانی رعایا کو ذوق اور ضمیر کی آزادی دی گئی۔ مسلمانوں کو ایرانیوں کے مذہبی معاملات میں دخیل ہونے سے روکا گیا۔

ایرانیوں کی بیشتر آبادی نے اسلام قبول کر لیا عربوں اور ایرانیوں میں ازدواجی تعلقات قائم ہو گئے کل تک ایرانیوں کو عجمی کہنے والے عربوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمان ہونے والے ایرانیوں کو موال (دوست) بنا دیا۔

اسامہ بن زید کی ابتدائی مہم کے بعد شام کے قبائلیوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کر دی تھیں اس زمانہ میں عراق اور کلدہ کے مغربی علاقے مشرقی رومی سلطنت (بازنطینی) میں شامل تھے۔ عراق کی طرح شام اور فلسطین میں بھی شامی نسل کے لوگ آباد تھے۔ دمشق، حمص، حلب، انطاکیہ اور شام کے دوسرے شہروں میں رومیوں کی چھاؤنیاں تھیں۔ اسی طرح فلسطین کے شہروں میں یروشلم، عسقلان، غازہ اور جافہ میں رومیوں کی مضبوط چھاؤنیاں تھیں۔ خلیفہ اول نے شام پر چڑھائی کرنے کے لیے چار فوجیں بھیجیں، دمشق کی مہم پر یزید بن ابوسفیان، حمص کی مہم پر ابوعبیدہ بن جراح، اردن کی مہم پر شرجیل بن حسنہ اور فلسطین کی مہم پر عمرو بن عاص مامور کیے گئے۔ اس سارے محاذ کی کمان ابوعبیدہ بن جراح کے ہاتھ میں تھی ان چار ڈویژنوں کی مجموعی تعداد تیس ہزار سے کچھ کم تھی۔ ریزرو فوج کی کمان معاویہ بن ابوسفیان کے سپرد تھی۔

مشرقی رومی سلطنت کی راجدھانی قسطنطنیہ میں تھی۔ بہت سے مقبوضات چھن جانے کے باوجود سلطنت بہت طاقتور تھی۔ عرب فوجوں کی روک تھام کے لیے رومی شہنشاہ، قسطنطنیہ چھوڑ کر حمص میں آ گیا تھا۔ یہاں سے اس نے عرب فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے چار جرنیلوں کے ماتحت مختلف سمتوں میں فوجیں بھیجیں رومیوں کے اس اقدام کے پیش نظر عرب جرنیلوں نے رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک جگہ جمع ہونے کا فیصلہ کیا چنانچہ اپریل ۶۳۴ء میں عرب فوجیں یرموک کے کنارے جمع ہو گئیں۔ اسی اثنا میں عربوں نے جن علاقوں کو فتح کر کے وہاں سے جزیہ وصول کیا تھا وہ رقم وہاں کے لوگوں کے حوالے کر دی۔ مقامی آبادی عربوں کے اس طرز عمل سے اتنی متاثر ہوئی کہ وہ ان کی واپسی کے لیے

آنسو بہا کر دعائیں کرنے لگی۔

یرموک کے کناروں پر دونوں فوجوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ دو مہینوں تک کوئی تصادم نہ ہو سکا۔ دونوں فوجیں اپنے جنگی ذرائع کو مضبوط کر رہی تھیں۔ اسی اثنا میں خلیفہ اوّل نے خالد بن ولید کو کلاذہ سے شام کے محاذ کا کمانڈر بنا کر بھیجا۔ خالد بن ولید کے پہنچ جانے کے بعد لڑائی شروع ہو گئی۔ رومیوں کو شکست ہوئی۔ ایک لاکھ چالیس ہزار رومی سپاہی مارے گئے۔ اس فتح سے جنوبی شام پر عربوں کا قبضہ ہو گیا۔ یرموک کی لڑائی سے چند دن پہلے خلیفہ اوّل کا انتقال ہو چکا تھا۔ خلیفہ دوم نے خالد بن ولید کو معزول کر کے ابو عبیدہ بن جراح کو سارے محاذ کا کمانڈر مقرر کیا۔ ایک ایک کر کے شام کے شہروں پر عربوں کا قبضہ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ ابو عبیدہ نے شمالی شام پر قبضہ کر لیا۔ اسی اثنا میں عمرو بن عاص کی فوجیں فلسطین کے کئی شہروں پر قبضہ کر چکی تھیں۔ اجنادین کی لڑائی میں رومیوں کو پھر شکست ہوئی۔ اب بچے کھچے رومی سپاہی عربوں سے لڑنے کے لیے یروشلم (بیت المقدس) میں جمع ہو گئے۔ عربوں نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ اس پر یروشلم کے بطریق نے اس شرط پر شہر کو حوالے کرنا چاہا کہ خود امیر المومنین بیت المقدس پہنچ کر معاہدے پر دستخط کریں۔ امیر المومنین کو اس کی اطلاع دی گئی۔

مدینہ کی مجلس مشاورت میں اس امر پر بحث ہوئی۔ آخر کار یہ طے پایا کہ امیر المومنین یروشلم روانہ ہوں۔ امیر المومنین کے سفر کی سادگی ایران اور مشرقی شہنشاہوں کے جلوسوں سے زیادہ شاندار اور مؤثر تھی۔ ستو، چھوہارے، پانی کی ایک مشک اور لکڑی کا ایک پیالہ — یہ تھا امیر المومنین کا زادِ راہ۔ دنیا کی کون سی شان و شوکت کہ اس سادگی پر قربان نہیں کیا جا سکتا؟ جابیہ میں معاہدہ کرنے کے بعد آپ بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ ابو عبیدہ بن جراح اور فوج کے دوسرے افسر بیت المقدس سے کچھ دور نکل کر آپ کا استقبال کرنے گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ امیر المومنین کے ہاتھ میں

اونٹ کی مہار ہے اور امیر المومنینؓ کا غلام اپنی مقررہ باری کے مطابق اونٹ پر سوار ہے دل ہلا دینے والا منظر!

سلام و پیام کے بعد عرب کے فوجی سرداروں اور رومیوں کو شکست دینے والے عرب جرنیلوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ امیر المومنین اپنا وہ لبادہ اتار دیں جس پر نامعلوم کب سے پیوند لگ رہے تھے۔" ہماری عزت صرف اسلام میں ہے اور وہی ہمارے لیے کافی ہے" امیر المومنین کے ان الفاظ نے مدینہ سے بہت دُور پہنچے ہوئے عرب جرنیلوں کو خاموش کر دیا۔ بطریق اعظم اور امیر المومنین بیت المقدس کی پُرانی یادگاروں کا نظارہ کرتے رہے یہاں تک کہ نماز کا وقت ہوگیا۔ بطریق اعظم نے کنیسہ کے اندر نماز پڑھنے کے لیے کہا لیکن آپ نے کنیسہ کی سیڑھیوں پر نماز ادا کی چند دن بیت المقدس میں رہنے کے بعد آپ مفتوحہ علاقوں کا دورہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے۔

شام سے ملحق مصر تھا۔ وہی پرانا مصر! فرعونوں کا مصر! اہرام کا مصر! بطلیموسوں کا مصر! کلوپترا کا مصر! مصر، مشرقی رومی سلطنت کا ایک صوبہ تھا۔ اس سلطنت میں مصر کے کاشتکار، غلاموں کی زندگی بسر کرتے تھے۔ عوام کے حکمران ان کے خدا بنے ہوئے تھے یہ خدا صدیوں سے اپنے بندوں کے حقوق دباتے بیٹھے تھے۔ عربوں نے عراق ایران اور شام کے عوام میں جو بیداری پیدا کر دی تھی اس کے اثرات سے بوڑھے نیل کی وادی کیونکر بچ سکتی تھی؟ قسطنطنیہ کا شہنشاہ اب مصر کو اس انقلاب سے دُور رکھنا چاہتا تھا جس کے مقابلہ میں وہ کئی بار شکست کھا چکا تھا۔

عمرو بن عاص چار ہزار سپاہیوں کو لے کر مصر پر حملہ آور ہُوا۔ مصر کے کلیدی شہر فرما پر قبضہ کرنے کے بعد عرب فوج قدیم شہنشاہوں کی یادگار ممفس کی طرف بڑھی۔ اسکندریہ کی ساحلی پوزیشن اور اس شان و شوکت نے مصر کے اس پرانے دار الحکومت کے محلوں اور مندروں کو کھنڈروں میں بدل دیا تھا۔ تاہم وہ اس وقت تک مصر کے بڑے شہروں

میں شمار ہوتا تھا۔ سات ماہ تک عربوں نے ممفس کے قلعہ کا محاصرہ کیے رکھا۔ آخر عربوں نے اس شہر کو فتح کر لیا۔ کھنڈروں کے قریب عربوں نے خیموں کا ایک نیا شہر بسایا جو بعد میں فسطاط کہلایا۔

رومی فوجیں اسکندریہ میں جمع ہو رہی تھیں۔ عرب بھی اسکندریہ کی طرف بڑھے۔ مصری عوام کے دلوں پر قبضہ کیے بغیر ممفس سے اسکندریہ تک کی فوجی یلغار ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھی۔ مصریوں نے عربوں کی اس نئی مہم میں ان کی ہر امکانی امداد کی۔ اسکندریہ مشرقی رومی سلطنت کی دوسری راجدھانی تھی۔ قیصر نے اسے بچانے کے لیے پوری قوت صرف کر دی، لیکن اسکندریہ پر عربوں کا قبضہ ہو گیا۔ اسکندریہ کی شان و شوکت کا اندازہ عمرو بن عاص کے اس خط سے لگایا جا سکتا ہے جو اسکندریہ کی فتح کے بعد اس نے امیر المومنین کو لکھا تھا "میں نے مغرب کے بڑے شہر کو فتح کر لیا ہے۔ اسکندریہ کی دولت اور رعنائی کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میں صرف اتنا بیان کرنے پر قناعت کروں گا کہ اس شہر میں چار ہزار محل، چار ہزار حمام اور چار ہزار تماشہ گاہیں ہیں"۔ امیر المومنین نے اپنے جواب میں اسکندریہ کو لوٹنے یا غارت کرنے کی ممانعت کر دی۔

اسکندریہ پر قبضہ ہوتے ہی تقریباً سارا مصر عربوں کے قبضہ میں آ گیا۔ مصر پر پوری طرح سے قبضہ کرنے کے بعد عمرو بن عاص نے امیر المومنین کو اپنے ایک طویل خط میں مصر کے تمدنی اور جغرافیائی حالات بتائے۔ اس خط کے ان الفاظ سے مصر کے عوام کی تقدیر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے "نیل کی طغیانی کے بعد زرخیز مٹی تہہ میں رہ جاتی ہے جس میں مختلف بیج بوئے جاتے ہیں۔ کسانوں کی بہت بڑی جماعت جس سے زمین تاریک اور سیاہ ہو جاتی ہے۔ چیونٹیوں کی طرح کام میں مشغول ہو جاتی ہے۔ . . لیکن اس محنت سے جو دولت پیدا ہوتی ہے وہ یہاں کے کسانوں اور جاگیرداروں میں برابر برابر نہیں بانٹی جاتی"۔

امیرالمومنین نے اپنے احکام سے مصر کی زمین کو مصر کے کسانوں میں بانٹ دیا اور عربوں کو مصر میں کاشت کے لیے زمین خریدنے سے منع کر دیا۔ عربوں کے لیے کھیتی باڑی کو ممنوع قرار دے دیا۔ مصر کی زرعی ترقی کے لیے غیر آباد رقبوں کو زیر کاشت لایا گیا۔ جو مصری کسی غیر آباد زمین کو آباد کرتا وہ زمین اس کی ملکیت ہو جاتی۔ آب پاشی کے لیے مصر میں بہت سی نئی نہریں بنوائی گئیں اور کئی ایک پرانی نہروں کو صاف کروایا گیا۔
دریں اثنا آرمینیہ اور کردستان کے قبائل نے عراق پر حملے شروع کر دیے تھے۔ چنانچہ ان حملوں کی روک تھام کے لیے کردستان اور آرمینیہ کو فتح کیا گیا۔
۶۴۰ء میں شمالی عرب اور شام میں قحط اور وبا نے سر نکالا۔ ان علاقوں کے لوگوں کی تکلیفوں کو کم کرنے کے لیے امیرالمومنین کو ایک مرتبہ پھر مدینہ چھوڑنا پڑا۔ بڑھاپے میں آپ نہایت بہادری سے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ پہلے سفر کی طرح دوسرے سفر میں بھی آپ کے ہمراہ صرف ایک خادم تھا۔ آپ نے یروشلم کے بشپ سے ملاقات کی۔ عیسائیوں کو مزید رعائتیں دیں۔ کال اور وبا کے شکار علاقوں کے لوگوں کو مصیبتوں سے بچانے کے لیے ہر امکانی کوشش کرنے کے بعد آپ مدینہ واپس ہوئے۔
مدینہ پہنچ کر آپ نظم و نسق کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ لیکن ایک قاتل نے آپ کی جان پر حملہ کیا جونہی آپ نے فجر کی نماز شروع کی۔ قاتل نے آپ پر چھ وار کیے۔ آپ زمین پر گر پڑے۔ قاتل نے گرفتار ہوتے ہی خودکشی کر لی۔ امیرالمومنین نے اپنے قاتل کے بارے میں پوچھا انہیں بتایا گیا کہ قاتل کا نام فیروز ہے۔
"اللہ کا شکر ہے کہ میرا قاتل مسلمان نہیں" آپ نے جواب دیا۔
آپ کے عہد خلافت میں مملکت کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا گیا۔ آپ ان صوبوں کے گورنر مقرر کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ آپ کی طرف سے ہر گورنر کو ایک فرمان دیا جاتا جسے وہ گورنر اپنے صدر مقام میں پہنچ کر عام لوگوں میں پڑھ کر سناتا

تھا۔ تمام گورنروں کے لیے ضروری تھا کہ وُہ حج کے موقع پر مکہ میں جمع ہو کر اپنے اپنے صوبے کے مسائل پر بحث کریں۔ اس کے ساتھ ہی حج کے موقع پر ہر شخص کو یہ اختیار حاصل ہوتا تھا کہ وُہ کسی گورنر کے خلاف شکایت پیش کر سکے۔ گورنروں کو سادہ زندگی گزارنے کے لیے کہا جاتا تھا۔ مصر کے گورنر عیاض بن غنم کو قیمتی کپڑے پہننے اور محل بنوانے کی بنا پر کمبل کا کرتہ پہنوا کر بکریاں چروانے کی سزا دی گئی۔ کوفہ کے حاکم نے اپنے مکان کی ڈیوڑھی میں دربان مقرر کیا امیر المومنین نے اس ڈیوڑھی کو آگ لگوا دی۔

اصلاحات

عدل و انصاف کے لیے ہر ضلع میں عدالتیں قائم کی گئیں ان عدالتوں کے لیے ضروری تھا کہ وُہ مختلف مقدموں میں "سب سے قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کریں اگر قرآن میں ایسی صورت نہ ہو تو پھر حدیث کی طرف رجوع کریں اور اگر یہاں بھی کوئی نظر نہ آئے تو پھر اجماع ورنہ اجتہاد سے فیصلہ کریں"۔

امیر المومنین کے حکم سے مدینہ اور ہر صوبے کے صدر مقام میں بیت المال قائم کیے گئے اور ان پر نہایت دیانتدار امین مقرر کیے ہر صوبے کی آمدنی مقامی بیت المال میں جمع ہوتی تھی۔ نظم و نسق کے اخراجات سے جو رقم بچ سکتی تھی اسے مدینہ کے بیت المال میں بھیج دیا جاتا تھا۔ اس مرکزی بیت المال کے امین، امیر المومنین تھے۔ ایک مرتبہ بیت المال کا اونٹ کہیں بھاگ گیا آپ اس کی تلاش میں نکلے۔ سامنے سے ایک عرب سردار آ رہا تھا۔ آپ نے اسے بھی تلاش میں مدد دینے کے لیے کہا" امیر المومنین اس کام کے لیے کسی غلام کو حکم دیا ہوتا" راہ میں کسی دوسرے نے کہا" مجھ سے بڑھ کر اور کون غلام ہو سکتا ہے" امیر المومنین نے جواب دیا۔

بیماری کی حالت میں آپ کے لیے شہد تجویز کیا گیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا۔ آپ نے مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے یہ کہا کہ وہ انہیں بیت المال سے تھوڑا سا شہد لینے کی اجازت دیں۔ آپ کو اپنی یتیم بھتیجی سے بہت محبت تھی۔ ایک دن جب کہ آپ

بیت المال کا معائنہ کر رہے تھے کہ اس چھوٹی بچّی نے زیورات میں سے یونہی ایک انگوٹھی اٹھا کر پہن لی جب آپ کی نظر بچی کی انگلی پر پڑی تو آپ بہت دیر تک بچّی سے دل بہلاوے کی باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے چپکے سے بچی کی انگلی سے انگوٹھی نکال کر چاندی اور سونے کے اُس ڈھیر میں پھینک دی جس کے آپ امین تھے۔

امیر المومنین خلیفہ دوم نے اپنی رحلت سے پہلے چھ ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی نامزد کی تھی تاکہ اس کمیٹی کے ارکان اپنے میں سے جسے چاہیں خلیفہ چن لیں۔ عثمانؓ بھی اس کمیٹی کے ارکان میں سے تھے۔ کمیٹی نے آپ کو خلیفہ منتخب کیا۔

حضرت عثمان (۶۴۵-۶۵۵ء)

آپ کے عہدِ خلافت میں اسکندریہ کے رومیوں نے بغاوت کی لیکن عمرو بن عاص نے اسے فرو کر دیا۔ چونکہ مصریوں نے اس بغاوت میں رومیوں کا ساتھ نہیں دیا تھا اس لیے انہوں نے بھاگتے وقت مصریوں کو خوب لوٹا۔ معاویہ نے ایشیائے کوچک کا بہت سا حصہ فتح کر کے وہاں کے کئی مقامات میں عربوں کی نوآبادیاں قائم کیں عربوں نے طرابلس، الجیریا، تونس اور مراکش فتح کیے۔ شام کے گورنر معاویہ نے جزیرہ قبرص کو فتح کیا۔ یزدجرد نے اپنے کھوتے ہوتے تخت کو پھر آخری مرتبہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ابن عامر نے یزدجرد کے ارادوں کو ناکام بنا دیا۔ جرجان اور طبرستان بھی فتح ہوتے خراسان پر قبضہ ہوا۔ کرمان اور سجستان بھی مطیع ہوئے۔ غزنی سے کابل کا درمیانی علاقہ عبدالرحمان نے فتح کیا۔ عربوں نے معاویہ کی کمان میں مشرقی رومی سلطنت کی راجدھانی، قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔ عثمانی خلافت کے عہد میں عربوں کی فتوحات ہندوستان کی سرحد سے ہسپانیہ کی سرحدوں تک پھیل گئیں اور اس دور میں عربوں نے مشرق میں ہندوستان کا دروازہ کھٹکھٹایا اور مغرب میں ہسپانیہ کے دروازے پر دستک دی۔

غیر ملکی فتوحات کے بڑھنے کے ساتھ ہی ان مفتوحہ علاقوں کے نظم و نسق کے لیے نئے

گورنروں کی ضرورت تھی۔ خلیفہ سوم نے اپنے خاندان (وسیع معنوں میں) کے افراد کو نئے صوبوں کا گورنر مقرر کیا اور اس کے ساتھ ہی فاروقی دور کے بیشتر گورنروں کو ہٹا کر ان کی جگہ اپنے خاندان کے لوگوں کو گورنر مقرر کیا۔ ان گورنروں نے بعض ایسے کام کیے جس سے ایک طرف تو مفتوحہ اقوام کو شکایت کا موقع ملا اور دوسری طرف وُہ عرب قبیلے جو غیر ملکی فتوحات میں برابر کے شریک تھے اور جن کے افراد کو بڑے بڑے عہدوں پر مامور نہیں کیا گیا تھا خلیفہ سوم کے مقرر کردہ نئے گورنروں سے شاکی ہوتے چلے گئے۔ ان شکایات کو خلیفہ سوم تک پہنچایا گیا۔ مختلف صوبوں سے کئی ایک وفد اپنی اپنی شکایت لے کر مدینہ پہنچے۔ ان وفدوں کو شکایات رفع کر دیے جانے کا یقین دلا کر واپس کر دیا گیا۔ راہ میں انہوں نے ایک ایسے قاصد کو پکڑ لیا جس کے پاس مروان کا لکھا ہُوا ایک خط تھا۔ اس خط میں مختلف صوبوں کے گورنروں سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنے اپنے صوبے کے وفد کے ارکان کو قتل کر دیں۔ یہ خط مروان کا لکھا ہُوا تھا۔ لیکن اس پر خلیفہ سوم کی مُہر لگی ہوئی تھی۔ وفدوں کے ارکان واپس ہوئے۔ انہوں نے مروان کو ان کے حوالے کر دیے جانے کا مطالبہ کیا۔ مسعودی کے بیان کے مطابق اس مطالبہ میں اموی خاندان کے افراد بھی ان وفدوں کے ساتھ متفق تھے۔ خلیفہ سوم نے مروان کو ان لوگوں کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ سوم نے مروان کے لکھے ہوئے خط کے بارے میں کہا کہ ”یہ خط میرے حکم سے نہیں لکھا گیا اور نہ ہی میں اس کے متعلق جانتا ہوں“۔ اب ان لوگوں نے جن کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ خلیفہ سوم کی خلافت سے دست برداری کا مطالبہ کرنا شروع کیا اور خلیفہ سوم کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اسی اثنا میں اموی خاندان کے بہت سے لوگ خلیفہ سوم کو خطرات میں گھرے ہوئے چھوڑ کر مدینہ سے دمشق چلے گئے۔

ایک دن آپ نے محاصرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا ”لوگو! میرے قتل کا کیوں

ارادہ کیے ہوئے ہو، میں تمہارا والی اور حکمران ہوں بخدا جہاں تک میرے بس میں تھا میں نے اصلاح کی کوشش کی چونکہ میں انسان ہوں اس لیے اصابت راستے کے ساتھ لغزشیں بھی ہوئیں، لیکن یاد رکھو اگر آج تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر قیامت تک نہ ایک ساتھ نماز پڑھوگے اور نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے۔" باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ تنگ کرنا شروع کیا یہاں تک کہ آپ کے گھر میں داخل ہو کر باغیوں نے آپ کی زندگی کو ختم کر دیا۔ مدینہ پر باغیوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ شہر پر خوف و ہراس چھایا ہوا تھا۔ دو دن تک خلیفہ سوم کی نعش بے گور و کفن پڑی رہی۔ تیسرے دن آپ کی تدفین کی گئی۔

حضرت علیؓ

حضرت عثمانؓ کے بعد مدینہ کے اکابر نے حضرت علی (۶۵۶ء-۶۶۱ء) کو خلیفہ منتخب کیا۔ آپ نے ان تمام گورنروں کی معزولی کا حکم جاری کر دیا جن کے خلاف شکایات تھیں۔ معاویہ کو بھی معزولی کا حکم بھیجا گیا لیکن معاویہ نے آپ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے شام پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسی اثنا میں ام المومنین حضرت عائشہؓ مدینہ سے بصرہ پہنچ کر خلیفہ سوم کے قاتلوں سے قصاص کی دعوت دے رہی تھیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ام المومنینؓ اور امیر المومنینؓ کی فوجوں میں لڑائی ہوئی۔ اُم المومنینؓ ایک اونٹ پر سوار تھیں۔ آپ کے محمل پر ہر طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ اونٹ زخمی ہو کر گر پڑا۔ اونٹ کے گرتے ہی امیر المومنینؓ نے لڑائی بند کر دینے کا اعلان کر دیا۔ ام المومنینؓ کو پوری حفاظت اور احترام کے ساتھ مدینہ پہنچا دیا گیا۔ جنگ جمل کے بعد امیر المومنینؓ نے مدینہ کی جگہ کوفہ کو مرکز خلافت بنا لیا۔ اس تبدیلی کی سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ امیر المومنینؓ کے حامیوں کی سب سے زیادہ تعداد عراق میں تھی۔

کوفہ پہنچ کر امیر المومنین نظم و نسق میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے معاویہ کو بیعت کرنے کی دعوت دی۔ دمشق کی مسجد میں ہزاروں مسلمان قتل عثمانؓ کا قصاص لینے کی قسم

کھا چکے تھے۔ کوفہ کی مسجد میں دس ہزار مسلمان یہ نعرہ لگا رہے تھے کہ "ہم عثمان کے قاتل ہیں"۔ دمشق اور کوفہ میں لڑائی ناگزیر ہو چکی تھی لڑائی ہو کر رہی۔ امیر المومنین اسی ہزار سپاہیوں کی فوج لے کر شام کی طرف بڑھے۔ معاویہ بھی اپنی فوج لے کر دمشق سے روانہ ہو چکے تھے۔ فرات کے کنارے صفین کے میدان میں لڑائی ہوئی۔ یہ لڑائی کئی مہینے ہوتی رہی۔ ابو الفدا کے بیان کے مطابق اس لڑائی میں پینتالیس ہزار شامی اور پچیس ہزار عراقی کام آئے ایک معرکے میں شامیوں کے پاؤں اکھڑنے لگے اب انہوں نے قرآن مجید کے اوراق کو نیزوں پر آویزاں کر کے یہ نعرے لگانے شروع کیے "عربو! اپنی عورتوں اور بچوں کو ایران اور روم سے بچاؤ" "قرآن کو حکم بناؤ"! اگر شامی ختم ہو گئے تو شام کو رومیوں سے کون بچائے گا؟ اگر عراقی ختم ہو گئے تو عراق کو ایرانیوں سے کون بچائے گا؟" "قرآن کو حکم بناؤ"!

امیر المومنینؓ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعری اور معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص کو حکم مقرر کیا گیا تاکہ وہ دونوں مل کر جو فیصلہ کریں وہ دونوں فریقوں کے لیے قابل تسلیم ہو۔ دومۃ الجندل میں فیصلے کا اعلان کیا گیا۔ ابو موسیٰ اشعری نے منبر پر سے کہا "ہمیں اصلاح امت کی اس سے بہتر کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی کہ علیؓ اور معاویہ دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے اس لیے میں ان دونوں کو معزول کرتا ہوں"۔ عمرو بن العاص نے منبر سے کہا "ابو موسیٰ اشعری کا فیصلہ سن چکے ہو۔ میں معاویہ کو خلافت کا مستحق سمجھتا ہوں کیونکہ وہ امیر المومنین عثمانؓ کے قصاص کے طالب اور ولی ہیں"

عراقیوں کی ایک جماعت ابتدا میں تحکیم کی حامی تھی لیکن معاہدہ تحکیم کے بعد یہ جماعت تحکیم کی مخالف ہو گئی۔ تاریخ میں یہ جماعت خوارج کہلاتی ہے۔ اس جماعت کے ہزاروں اشخاص نہروان میں جمع ہو چکے تھے۔ حضرت علیؓ کو ان کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ نہروان میں لڑائی ہوئی۔ خوارج "لا حکم الا اللہ" کے نعرے لگا کر لڑتے رہے یہاں تک کہ وہ ایک ایک کر کے مارے گئے۔ خوارج کو شکست دینے کے بعد حضرت علیؓ شام

کا قصد کرنا چاہتے تھے لیکن اس مہم پر صرف ایک ہزار اشخاص کو اپنے ہمراہ جاتا دیکھ کر کوفہ چلے گئے۔

مُعاویہ نے مصر پر قبضہ کرنے کے بعد عراق اور حجاز کے کئی ایک شہروں پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان شہروں کے لوگوں سے معاویہ کے امیر المومنین ہونے کی بیعت لی جاتی تھی۔ مدینہ اور مکہ میں بھی ایسا ہی کیا گیا۔ کئی شہروں میں عراقیوں اور شامیوں میں لڑائیاں ہوتی رہیں یہاں تک کہ دونوں فریقوں میں مصالحت کی بات چیت شروع ہو گئی۔

نہروان میں شکست کھانے کے بعد خوارج نے اپنی سرگرمیوں کو خفیہ طور پر جاری رکھا اس جماعت کے تین افراد نے فیصلہ کیا کہ وہ مقررہ وقت پر حضرت علی، معاویہ اور عمرو بن العاص کی جانوں پر حملہ کریں گے۔ یہی ہوا! عمرو بن العاص کی جگہ ایک دوسرا شخص مارا گیا۔ معاویہ کو معمولی زخم آیا، حضرت علیؓ کو کاری زخم آیا۔ زخمی ہونے کے تیسرے دن بعد آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

پانچواں باب

کوفہ اور دمشق

حضرت علیؓ کے بعد آپ کے بڑے بیٹے حضرت حسنؓ اپنے باپ کے جانشین ہوئے قیس بن سعد کی بیعت کے بعد تمام عراقیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسی اثنا میں شامی فوجیں عبید اللہ بن عامر کی قیادت میں مدائن کی طرف بڑھیں۔ حضرت حسن نے قیس بن سعد کو بارہ ہزار سپاہی دے کر شامی فوج کے مقابلہ کے لیے بھیجا اور خود مدائن میں رہے مدائن کی فوج میں قیس بن سعد کے قتل کر دیے جانے کی افواہ اڑ گئی۔ اس پر عراقی سپاہیوں نے حضرت حسنؓ کے خیمہ پر حملہ کر کے اس کے سامان کو لوٹ لیا۔ عراقیوں کے یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر آپ سمجھوتے کی بات چیت پر رضامند ہو گئے۔ حضرت حسنؓ اور امیر معاویہ میں جو معاہدہ ہوا اس کی دفعات کے متعلق مورخوں میں اختلاف ہے۔ بہر حال اس معاہدے کے بعد حضرت حسنؓ کوفہ پہنچ گئے۔ امیر معاویہ نے کوفہ پہنچ کر اس معاہدے کی شرطوں کی زبانی تصدیق کر دی۔[1]

حضرت حسنؓ نے ایک عام اجتماع میں اپنی دست برداری کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ "خلافت میرے اور معاویہ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے لیکن میں آپ لوگوں کی خونریزی سے بچنے کے لیے اس سے دست بردار ہوتا ہوں"۔ اس اعلان کے بعد آپ کوفہ سے مدینہ چلے گئے۔ قیس بن سعد اور امیر معاویہ میں بھی صلح ہو گئی۔ قیس بن سعد نے جو شرطیں پیش کی تھیں امیر معاویہ نے ان سب کو مان کر ایک بہت بڑے مدبر اور

جرنیل کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

دست برداری کے نو سال بعد آپ نے مدینہ میں وفات پائی۔ آپ کی وفات پہ جب مروان آنسو بہا رہا تھا حضرت حسینؓ نے اس سے کہا کہ زندگی میں تم نے ان کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا اور اب ان کی موت پر روتے ہو" مروان نے پہاڑ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "میں نے جو کچھ کیا اس سے بھی زیادہ بردبار انسان کے ساتھ کیا"

آپ کی دست برداری کے بعد مسلمانوں کی امارت امیر معاویہ کے پاس چلی گئی۔ اس امارت کا مرکز کوفہ کی جگہ دمشق بن گیا۔

پچھلے کئی سال سے دمشق امیر معاویہ کی صوبائی حکومت کا صدر مرکز تھا۔ جدید امارت نے دمشق کو ساری عرب مملکت کا صدر مقام بنا دیا۔ شام کی گورنری کے زمانہ میں معاویہ ہی نے رومی حملوں کی روک تھام کے لیے شام کی سرحدوں کو مضبوط کیا۔ سمندری بیڑا بنا کر شام کی بحری حفاظت کا انتظام کیا۔

امیر معاویہ کے عہد حکومت (۶۶۱ء — ۶۸۰ء) کا آغاز شورشوں کے رفع کرنے سے ہوا۔ اس زمانے میں تین بڑی بڑی سیاسی پارٹیاں تھیں۔ ایک پارٹی بنو امیہ کی حامی تھی، دوسری پارٹی خلافت کو صرف اہلِ بیت کا حق سمجھتی تھی۔ تیسری ان دونوں پارٹیوں کے سیاسی خیالات سے مختلف تھی۔ وہ بنو امیہ اور اہلِ بیت دونوں کی مخالف تھی۔ اس پارٹی کے ارکان خوارج کہلاتے ہیں۔ خارجیوں نے عراق میں شورش کی لیکن امیر معاویہ نے ان کا زور توڑ دیا۔ خارجیوں کے علاوہ کئی ایک مفتوحہ ملکوں میں بھی بغاوتیں ہوئیں۔ لیکن انہیں دبا دیا گیا۔ داخلی اور خارجی بغاوتوں کے فرو ہونے کے بعد عرب والوں نے ایک مرتبہ پھر فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔

عقبہ بن نافع شمالی افریقہ کی فتح کے لیے نکلا۔ اس نے شمالی افریقہ کے مفتوحہ علاقوں

کے بربریوں کی بغاوتوں کو فرو کیا اور اس کے ساتھ ہی کئی ایک نئے علاقے فتح کیے یونانیوں، رومیوں اور بربریوں نے عقبہ بن نافع کو شکست دینے اور حرب فوج کے ذرائع رسل و رسائل کاٹنے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ ان سب کو شکست دیتا ہوا اوقیانوس کے کناروں تک جا پہنچا۔ اس محیط بیکراں نے عقبہ کو رُک جانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑی لگا کر اُسے اوقیانوس میں ڈال دیا۔ دُور دُور تک نگاہ دوڑائی، شاید دوسرا کنارہ دکھائی پڑے، لیکن کنارہ ـــ وہ بہت دُور تھا۔ عقبہ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوتے کہا "اے خداوند! اگر یہ سمندر حائل نہ ہوتا تو میں اس سے بھی دُور دراز ملکوں میں تیرے نام کی عظمت کو پھیلاتا۔"

جب مغرب میں عقبہ بن نافع اوقیاس کی لہروں کو چیر رہا تھا تو مشرق میں مہلّب سندھ کی زریں وادی کو فتح کرنے میں مصروف تھا۔ مشرقی افغانستان کے علاوہ عربوں نے بخارا اور سمرقند بھی فتح کیے۔

مشرقی رومی سلطنت کی فوجیں شام اور مصر پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے بار بار سمندری حملے کرتی تھیں۔ امیر معاویہ نے رومیوں کے سمندری حملے روکنے کے لیے ایک بہت بڑا سمندری بیڑا تیار کیا تھا۔ اس بیڑے نے نہ صرف رومیوں کو ہر بار شکست دی بلکہ سمندر میں آگے بڑھ کر اناطولیہ کے کئی ایک ساحلی جزیروں پر قبضہ کر لیا۔ اس بیڑے نے باسفورس میں داخل ہو کر مشرقی رومی سلطنت کی راجدہانی قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ رومی سپاہی راجدہانی کی دیواروں پر سے محاصرین پر آگ پھینکتے تھے۔ کئی ماہ کے بعد عربوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھا لیا۔ اس بیڑے کی کمان یزید بن معاویہ نے کی تھی۔ حضرت ایوب انصاری کی قبر اس محاصرے کی یاد ہے۔ صدیوں بعد جب عثمانیوں نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو انہوں نے آپ کے مزار سے ملحق ایک بہت بڑی مسجد بنوائی۔

یزید کی جانشینی کا اِعلان امیر معاویہ نے چاہا کہ اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین

مقرر کریں چنانچہ انہوں نے اس بات کا اعلان کر دیا اور لوگوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت لینی شروع کر دی۔ شام اور عراق کے لوگوں نے امیر کے اس فیصلہ کو مان لیا۔ لیکن حجاز یہ فیصلہ ماننے پر تیار نہیں تھا۔ چنانچہ حجاز میں یزید کی جانشینی تسلیم کرانے کے لیے امیر نے حجاز کا سفر اختیار کیا، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، حسین ابن علی اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے یزید کو معاویہ کا جانشین ماننے سے انکار کر دیا۔ حجاز سے واپسی کے بعد امیر نے اپریل ۶۸۰ء میں دمشق میں وفات پائی۔ یزید اس وقت دمشق میں موجود نہیں تھا۔ معاویہ نے اپنی موت سے پہلے اپنے بیٹے کے لیے جو وصیت لکھوائی اس میں اس نے یزید سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ "میں نے دشمنوں کو زیر کر کے سارے عرب کی گردنیں تمہارے آگے جھکا دی ہیں۔ تمہارے لیے بہت بڑا خزانہ جمع کر چکا ہوں تم ہمیشہ اہل حجاز کے حقوق کی حفاظت کرتے رہنا کیونکہ وہی تمہاری بنیاد ہیں۔ حجازیوں پر مہربانی کرتے رہنا، ان سے ہمیشہ اچھا سلوک کرنا۔ اہل عراق کی ہر خواہش پوری کرنا۔ اگر عراقی ہر روز گورنروں کے تبادلہ کا مطالبہ کریں تو پھر مان لینا کیونکہ گورنروں کا تبادلہ تلوار کے لیے نیام کرنے سے بہتر ہے، شامیوں کو اپنا مشیر بنانا، جب کبھی تمہارا دشمن مقابلے پر آئے تو شامیوں کو ان سے لڑانے کے لیے بھیجنا۔ جب وہ دشمن کو شکست دے لیں تو پھر انہیں واپس بلا لینا، کیونکہ کسی دوسرے مقام پر زیادہ دیر رہنے سے ان کے اخلاق بدل جائیں گے"۔ اسی وصیت میں خلافت کے مسئلہ کو سب سے زیادہ اہمیت دینے کے بعد کہا کہ خلافت کے مسئلہ میں حسینؓ بن علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ اور عبداللہؓ بن زبیر کے علاوہ تمہارا کوئی حریف نہیں، عبداللہ بن عمر سے کوئی خطرہ نہیں، عام مسلمانوں کی بیعت کے بعد انہیں بھی کوئی عذر نہ ہوگا، عبدالرحمٰن بن ابوبکر وہی کریں گے جو ان کے ساتھی کریں گے۔ عبداللہ بن زبیر وہ شخص ہے جو لومڑی کی طرح دکھا وا دے کر شیر کی طرح حملہ کرے گا اگر وہ صلح کرے تو بہتر ورنہ اس پر قابو پانے کے بعد اُسے زندہ نہ چھوڑنا۔ اہل عراق حسینؓ ابن علیؓ کو تمہارے

مقابلہ پر لائیں گے۔ ان پر قابو پانے کے بعد ان سے بہت اچھا سلوک کرنا۔"

امیر معاویہ کے عہد میں اندرونی امن قائم ہونے کے بعد غیر ملکی فتوحات کا سلسلہ پھر سے شروع ہوا۔ کئی نئے علاقے فتح کیے گئے۔ رومیوں کے سمندری حملوں کی روک تھام کے لیے ایک بیڑا تیار کیا گیا۔ نئی ضرورتوں کے مطابق جہاں نظم ونسق میں نئے محکمے کھولے گئے وہاں امارت بحر کا نیا عہدہ قائم کیا گیا۔ عربوں کے اس جنگی بیڑے کا پہلا امیر البحر جنادہ بن ابی امیہ تھا۔ اس بیڑے کی ضروریات پوری کرنے کے لیے مصر اور شام کے کئی ایک ساحلی مقامات پر جہاز سازی کے کارخانے کھولے گئے۔ پرانے قلعوں کی مرمت کے لیے کئی ایک نئے قلعے بنوائے گئے۔ عرب فوجوں نے پہلی مرتبہ پتھر پھینکنے والی توپیں استعمال کیں۔ برید کے نام سے ڈاک اور خبر رسانی کا ایک باقاعدہ محکمہ قائم ہوا۔ سرکاری کاغذات کی حفاظت کے لیے ایک ریکارڈ آفس کھولا گیا۔ کھیتی باڑی کو فروغ دینے کے لیے بہت سی نہریں کھدوائی گئیں۔ ان نہروں کی وجہ سے کئی صوبوں کی زرعی پیداوار بہت بڑھ گئی۔ شمالی افریقہ میں قیروان بسایا گیا۔ کئی ایک مفتوحہ ملکوں میں عربوں کی نو آبادیاں قائم کی گئیں۔ غیر مسلم عربوں کو نظم ونسق کے بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کیا گیا۔ عبید نے پرانی تاریخ اور شاہان ایران کے حالات لکھے۔ یہ عربوں کی تاریخ نگاری کی ابتدا تھی۔ اس ابتداء نے آگے چل کر عربوں کی تاریخ نگاری کو بلند ترین مقام تک پہنچا دیا۔

یزید بن معاویہ (۶۸۰-۶۸۳)

یزید کے سامنے سب سے اہم مسئلہ حسینؓ ابن علیؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمان بن ابوبکر سے بیعت لینا تھا۔ یزید نے مدینہ کے حاکم کے ذریعہ بیعت لینے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ عبداللہ بن زبیرؓ اور حسینؓ ابن علیؓ مدینہ چھوڑ کر مکّہ چلے گئے۔ مکّہ میں قیام کے دوران میں کوفیوں کی طرف سے امام حسینؓ کو کوفہ آنے کی دعوت ملی چنانچہ آپ اپنے خاندان کے ہمراہ مکّہ سے کوفہ روانہ ہوئے۔ آپ کی روانگی کی اطلاع دمشق

میں پہنچ چکی تھی۔ راہ میں آپ کو مسلم بن عقیل کے قتل کی اطلاع ملی۔ آپ کا قافلہ کربلا کے میدان میں اترا۔ شامی فوج نے اس قافلہ پر فرات کا پانی بند کر دیا۔ صلح کی بات چیت بھی ہوئی۔ چونکہ حسینؓ ابن علیؓ، یزید کی بیعت کرنے پر کبھی رضامند نہیں ہو سکتے تھے شامی فوج بغیر بیعت لیے انہیں چھوڑنا نہیں چاہتی تھی لہٰذا شامی فوج اور حسینؓ ابن علیؓ کے ل نثاروں میں لڑائی یقینی ہو چکی تھی۔ ایک طرف صرف ۷۲ اشخاص تھے اور دوسری طرف چار ہزار مسلح افواج تھی۔ حسینؓ ابن علیؓ نے لڑائی سے پہلے خدا سے دعا کرتے ہوئے کہا "تو ہر مصیبت میں میرا سہارا ہے، تو ہر مصیبت میں میری پناہ ہے جب غم سے دل کمزور پڑ جاتا ہے کامیابی کی تدبیریں کم ہو جاتی ہیں، ساتھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، دشمن دشمنی کرتے ہیں تو میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ تو ہر نعمت کا ولی، ہر نیکی کا مالک اور ہر خواہش کا منتہی ہے اس دعا کے بعد آپ نے شامی فوج سے مخاطب ہوتے ہوئے ایک تقریر کی جس میں آپ نے اپنے عراق آنے کے اسباب بیان کرنے کے بعد واپس بھیج دیتے جانے کا مطالبہ کیا۔ لیکن شامی فوج نے یزید بن معاویہ کی بیعت کرنے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے اس مطالبہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ لڑائی شروع ہو گئی۔ انفرادی مقابلہ کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی۔ ایک طرف چار ہزار سپاہی تھے اور دوسری طرف بہتّر مسافر۔ امام حسینؓ کے خویش و اقارب اور ساتھی ایک ایک کر کے موت سے ہم آغوش ہو چکے تھے۔ امام حسینؓ اپنے حلق کو تر کرنے کے لیے فرات کی طرف بڑھے پانی لبوں تک لے جانا چاہتے تھے کہ ان کے ایک تیر لگا۔ فرات سے واپس ہوتے عراقیوں نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا۔ تیروں کی بارش اور تلواروں کے سایہ میں آپ لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ دشمن آگے بڑھے۔ ایک تلوار آپ کی گردن پر تھی۔ عراقی فوج نے اس طرح خونِ حسینؓ سے سرزمینِ کربلا کو سینچا۔ آپ کے سر کو ابن زیاد کے پاس کوفہ میں بھیج دیا گیا۔ اہلِ بیت کا قافلہ حسرت و یاس کی تصویر بنا ہوا کوفہ کی طرف روانہ تھا۔ کوفہ سے اس

قافلہ کو دمشق بھیجا گیا۔ اس قافلہ کے آگے آگے امام حسینؓ کا سر نیزے پر لٹکا ہوا تھا۔ یہ نیزہ اہلِ کارواں کے دلوں کو کس طرح زخمی کرتا ہوگا؟ جب یہ قافلہ دمشق میں پہنچا تو وہاں ایک سنسنی پیدا ہو گئی، قریب تھا کہ اہلِ بیت کے حق میں مظاہرے شروع ہو جاتے اس لیے یزید بن معاویہ نے آلِ بیت کو دمشق سے جلد از جلد مدینہ بھجوا دیا۔ مقرر کردہ محافظوں نے اہلِ بیت کو پورے احترام کے ساتھ مدینہ پہنچا دیا۔

جب حادثہ کی خبر مکہ میں پہنچی تو عبداللہ بن زبیر نے اہلِ مکہ کو یزید کی مخالفت پر آمادہ کیا۔ اس اثنا میں یزید نے ابن زبیر کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیے تھے، لیکن مکہ اور مدینہ دونوں یزید کے خلاف ہو چکے تھے۔ حجاز کے لوگوں کی اکثریت نے ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ اب یزید کے دس ہزار سپاہیوں نے حجاز پر حملہ کر دیا۔ حرہ کے مقام پر مدنیوں اور شامیوں کا مقابلہ ہوا۔ شامی فوج کی تعداد چونکہ بہت زیادہ تھی۔ اس لیے شامی فوج جیت گئی۔ اس لڑائی نے مدینہ کو بڑے بڑے مقتدر صحابہ کرام سے محروم کر دیا۔ وہ شہر جہاں رسولِ خدا نے ہجرت کی اور جسے اپنا مسکن بنایا اب شامیوں کی لوٹ مار کا شکار ہو رہا تھا۔ مسجد نبویؐ کی بے حرمتی کی گئی، مدرسوں اور ہسپتالوں کو جلا دیا گیا۔ تین دن تک مدینۃ النبیؐ کو لوٹنے کے بعد شامی فوج مکہ کی طرف بڑھی۔ مکہ میں عبداللہ بن زبیر اپنی خلافت کا اعلان کر چکے تھے۔ شامیوں نے مکہ کے محاصرہ میں کعبہ کو نقصان پہنچایا۔ ہنوز یہ محاصرہ جاری تھا کہ یزید کی موت (نومبر ۶۸۳ء) نے شامیوں کو مکہ کا محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور کر دیا۔

مروان

تین ماہ تک یزید کی جانشینی کرنے کے بعد معاویہ بن یزید نے عام اجتماع میں ایک تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ یزید کی جانشینی سے دستبردار ہوتا ہے اور لوگ جسے چاہیں خلیفہ بنا لیں۔ اسی اثنا میں مروان بن حکم دمشق پہنچ چکا تھا۔ بنو امیہ کے اکابر نے مروان بن حکم کو معاویہ بن یزید کا جانشین مان لیا۔

یزید کی موت کے بعد حجاز، عراق اور خراسان نے ابن زبیر کو خلیفہ مان لیا تھا۔ شام میں بھی ابنِ زبیر کے حامیوں کی کمی نہ تھی لیکن مرج راہط کی لڑائی نے شام میں ابنِ زبیر کی حمایت کو ختم کر دیا۔ شام میں اپنے قدم مضبوط کرنے کے بعد مروان نے مصر پر حملہ کیا اور نہایت آسانی سے اس پر قبضہ کر لیا۔ مروان نے ابھی مصر اور شام پر اپنا اقتدار قائم کیا ہی تھا، کہ اچانک مر گیا۔ اِس کی موت کے بعد اِس کا بیٹا عبدالملک اس کا جانشین ہوُا۔

عبدالملک بن مروان

شام اور مصر پر عبدالملک بن مروان کا قبضہ تھا۔ حجاز، عراق اور خراسان پر ابن زبیرؓ کا اقتدار تھا۔ عراق میں مختار نے خونِ حسینؓ کا انتقام لینے کے لیے بہت بڑی فوج جمع کرلی تھی اس فوج کا تصادم ابنِ زیاد سے ہوُا۔ مختار نے ابن زیاد کا سر کٹوا کر مدینہ میں زین العابدین ابنِ حسینؓ ابن علیؓ کے پاس بھجوا دیا۔ اب مختار نے امام حسینؓ کے قاتلوں کو چن چن کر قتل کر دیا۔ مختار نے اتنی سیاسی قوت حاصل کر لی تھی کہ اب وہ عراق کے ایک حصّے کا حکمران بن چکا تھا اس پر ابن زبیر نے اپنے بھائی مصعب کو مختار کے مقابلہ پر بھیجا۔ مصعب نے مختار کو شکست دی۔ مختار کی شکست کے بعد سارا عراق ابنِ زبیر کے قبضہ میں آگیا۔

خوارج کا مرکز بھی عراق میں تھا اور عراق پر ابنِ زبیر کا قبضہ تھا۔ اس لیے خوارج اور عبداللہ بن زبیرؓ میں تصادم یقینی تھا۔ کئی ماہ تک کئی مقامات پر خوارج اور ابن زبیرؓ کی فوجوں میں شدید لڑائیاں ہوتی رہیں یہاں تک کہ ابن زبیرؓ کی موت کے بعد خوارج اور عبدالملک میں لڑائیاں ہوتی رہیں۔ عراق پر قبضہ کرنے کے لیے عبدالملک کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں چنانچہ مصعب بن زبیرؓ اور عبدالملک بن مروان میں لڑائی ہوُئی —

مصعب بن زبیرؓ کی شکست کے بعد عراق پر عبدالملک کا قبضہ ہو گیا۔ عراقیوں نے عبدالملک کی بیعت کر لی۔ اب عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو ابن زبیر کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ حجاج بن یوسف نے مکّہ کا محاصرہ کر کے سنگ باری شروع کر دی جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا۔ محاصرین کے دباؤ سے دس ہزار سپاہی ابن زبیرؓ کا ساتھ چھوڑ کر حجاج سے جا ملے تھے اس پر ابن زبیرؓ نے اپنی والدہ سے کہا "میرے تمام ساتھی ایک ایک کر کے مجھ سے الگ ہو چکے ہیں۔ میرے بیٹے تک میرا ساتھ چھوڑ چکے ہیں جو ساتھی باقی ہیں ان میں مقابلے کی تاب نہیں، دشمن رعایت کرنے پر آمادہ ہے بتائیے میں کیا کروں؟" عرب ماں کی طرح والدہ نے اپنے بیٹے کو جواب دیتے ہوئے کہا "اگر تم حق کے لیے لڑ رہے تھے تو اب بھی اس کے لیے لڑائی جاری رکھو اور اگر تم دنیا کے لیے لڑتے تھے تو پھر تم سے بُرا اور کون ہوگا؟ اگر یہ عذر ہے کہ حق پر ہو لیکن مجبور ہو تو یاد رکھو کہ تم آخر کب تک دنیا میں رہو گے، حق کی راہ میں جان دینا زندہ رہنے سے ہزار درجہ بہتر ہے"۔ بہادر ماں کے یہ الفاظ سُن کر بہادر بیٹا بہادروں کی طرح لڑتا ہُوا اس دنیا سے رخصت ہُوا۔ حجاج نے ابن زبیرؓ کی نعش کو سولی پر لٹکا دیا۔ اپنے بیٹے کی نعش کو یوں لٹکتا دیکھ کر کہا "شہسوار ابھی سواری سے نہیں اترا"۔

عبداللہ بن زبیرؓ کی موت کے بعد عبدالملک بن مروان (۶۹۳ - ۷۰۵) کا کوئی حریف باقی نہ رہا۔ مہلب عبدالملک کی بیعت کرنے کے بعد خوارج سے لڑتا رہا یہاں تک کہ عراق میں خوارج کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو عراق کا گورنر مقرر کیا۔ عراق کے علاوہ سیستان، کرمان، خراسان، کابل اور ترکستان (تھوڑا سا علاقہ) بھی حجاج کے ماتحت تھا۔ سیستان کے حکمران رتبیل کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے حجاج نے عبدالرحمٰن بن اشعث کو بھیجا۔ ابن اشعث نے سیستان کے جغرافیائی حالات کے پیشِ نظر دشمن کا کافی علاقہ فتح کرنے کے بعد ایک سال کے لیے اپنی مہم ملتوی کر دی۔ اس نے اس التواء کی اطلاع حجاج بن یوسف کو بھیج دی۔ اس پر حجاج نے اسے کمان سے الگ کر دیا

ابن اشعث کی ساری فوج حجاج کے خلاف ہوگئی۔ ابن اشعث، اپنی فوج لے کر حجاج سے لڑنے کے لیے عراق روانہ ہوا۔ اس نے بصرہ پر قبضہ کر لیا لیکن حجاج نے بہت جلد ابن اشعث کو شکست دے کر پھر سارے عراق کو اپنے ماتحت کر لیا۔

شمالی افریقہ میں بربریوں نے بغاوتوں کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ بربر اور اطلس کے قبائل کاہنہ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ ان بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے اور کاہنہ کو شکست دینے میں عرب جرنیلوں نے اپنی فوجی فراست کا ثبوت دیا۔ بربریوں کے بہت سے قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا۔ عبدالملک سے پہلے عربوں میں رومی، ایرانی اور مصری سکّے چلتے تھے لیکن اِس نے اپنا سکہ رائج کیا۔ اس وقت یونانی اور ایرانی زبانوں میں دفتری کاروبار ہوتا تھا لیکن عبدالملک نے عربی کو دفتری زبان قرار دے کر عربی کی ترقی اور اشاعت کا راستہ پیدا کیا۔ اس نے خانہ کعبہ کی مرمت کرائی اپنی مملکت کی حدود میں کئی ایک نئے شہر بسائے۔

سندھ سے سپین تک

ولید بن عبدالملک (۷۰۵-۷۱۳) کا عہد قتیبہ بن مسلم، مسلمہ بن عبدالملک، محمد بن قاسم موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کی فتوحات کے لیے عربوں کی تاریخ کی ایک بہت بڑی یادگار ہے۔

ترکستان کے بعض حصّوں پر عربوں کا قبضہ ہو چکا تھا، لیکن بخارا، سمرقند اور ان کے نواحی حکمران بغاوت پر آمادہ رہتے تھے۔ بغاوتوں کے فرو کرنے اور نئی فتوحات کے لیے خراسان کے والی قتیبہ بن مسلم نے ترکستان پر چڑھائی کی۔ قتیبہ نے ترکستان کے

بہت سے شہروں کو فتح کیا۔ قتیبہ کی فتوحات کا سلسلہ چین کی سرحدوں تک جا پہنچا۔ خاقان چین نے عربوں کی فتوحات کے ڈر سے قتیبہ سے صلح کر لی۔

ادھر مسلمہ بن عبدالملک کردستان، آرمینیہ ایشیائے کوچک کے کئی ایک اہم مقامات کو فتح کر رہا تھا۔ ادھر محمد بن قاسم سندھ کے بڑے بڑے شہروں پر قابض ہو رہا تھا۔ محمدؐ بن قاسم نے سندھ، اور پنجاب کے ایک حصّے پر قبضہ کیا۔ اس مہم کی کمان اگرچہ محمدؐ بن قاسم کے ہاتھ میں تھی، لیکن حجاج بن یوسف کی غیر معمولی سرگرمیاں اس مہم کے سر کرنے کا بہت بڑا ذریعہ تھیں عربوں نے سندھ اور سپین پر تقریباً ایک ہی وقت میں حملہ کیا۔ دونوں ملکوں پر حملہ کرنے والی عرب فوج کے کمانڈر بیس سال سے بھی کم عمر کے نوجوان تھے۔

سپین (ہسپانیہ) پر پہلا غیر ملکی قبضہ قرطاجنیوں کا تھا۔ رومیوں نے قرطاجنیوں کو شکست دے کر ہسپانیہ پر قبضہ کیا۔ گاتھوں نے اُسے رومیوں سے چھینا۔ عربوں نے گاتھوں کو شکست دے کر یورپ کے اس سرسبز اور شاداب جزیرہ نما پر قبضہ کیا۔ عربوں نے ہسپانیہ کو خوشحالی کی اس بلندی تک پہنچا دیا تھا جسے وُہ اب تک حاصل نہیں کر سکا۔ انھوں نے ہسپانیہ میں نہ صرف محلوں، مسجدوں، ہسپتالوں، سکولوں اور کالجوں کا ایک سلسلہ قائم کیا بلکہ کھیتی باڑی اور مصنوعات میں ہسپانیہ کو یورپ کا بہترین ملک بنا دیا۔ جب یورپ کے دوسرے ملکوں میں لکھنے پڑھنے کو جادوگری خیال کیا جاتا تھا تب عربوں کے ہسپانیہ میں ابتدائی تعلیم لازمی تھی۔

جب گاتھوں نے ہسپانیہ فتح کیا تو ہسپانیہ پر ایک طرح کی کلیسائی حکومت قائم ہو گئی۔ اس حکومت نے رومی قانون کو رائج کیا، لیکن اس قانون میں بے دینوں اور یہودیوں پر سختیوں کو بڑھا دیا گیا پہلے کے ہسپانیہ کو جس تعصب نے تباہ کیا تھا وہی تعصب گاتھوں کے ہسپانیہ میں موجود تھا۔ آٹھویں صدی کے اوائل میں ہسپانیہ میں

یہودیوں پر سب سے زیادہ مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ اہلِ دربار اور اربابِ کلیسا کے علاوہ باقی ساری آبادی افلاس اور جہالت میں گھری ہوئی تھی۔ درباری اور کلیسائی عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے وُہ لوگ جو عوام کو گناہوں سے دور رکھنے کا دعویٰ کرتے تھے سب سے زیادہ گناہ کے قریب تھے۔ کاشت کاروں کی زندگی غلامانہ تھی۔ غلام باپ کی اولاد جاگیر دار کے وارث کی غلام بنائی جاتی تھی۔ ان غلام کاشتکاروں کی حالت رومیوں کے عہد کے غلاموں سے بھی بدتر تھی۔ ان غلاموں کی ایک تعداد اپنے مالکوں کے پیہم جور و ستم کے باوجود ایک خاص وقت کا انتظار کرتی چلی آرہی تھی۔ آخرکار وُہ وقت آن پہنچا۔

شمالی افریقہ کے حاکم موسیٰ بن نصیر نے مفتوحہ علاقے میں امن و امان قائم کیا۔ بدامنی اور غارت گری کے شکار ہسپانیہ نے عربوں کو دعوت دی۔ ہسپانیہ کے تباہ حال کسانوں اور مظلوم یہودیوں کی آنکھیں افریقہ کے ساحل پر لگی ہوئی تھیں۔ طارق بن زیاد آبنائے عبور کر کے اِس مقام پر اترا جو آج تک اس کے نام پر جبل الطارق کہلاتا ہے۔ گاتھوں نے طارق کی پیش قدمی کو روکنا چاہا لیکن ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ ہسپانیہ کا حکمران روڈریک قرطبہ میں فوج جمع کرنے کے بعد عربوں سے لڑنے کے لیے نکلا۔ سیدونیہ (عربوں کا شذونہ) میں لڑائی ہوئی۔ گاتھوں نے شکست کھائی۔ روڈریک دریا عبور کرتے ہوئے ڈوب مرا۔ عربوں نے ایک ایک کر کے ہسپانیہ کے شہروں کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ اِسی اثنا میں اسّی سال کا بوڑھا جرنیل موسیٰ بن نصیر بھی میدان میں اُتر آیا۔ طارق فتوحات کرتا ہُوا آگے آگے بڑھ رہا تھا اور موسیٰ بن نصیر اس کے پیچھے پیچھے معاہدوں پر دستخط کرتا ہُوا چلا جا رہا تھا کہ دمشق سے ایک قاصد طارق اور موسیٰ کی واپسی کا حکم لے کر پہنچ گیا۔

انقلاب عربوں کی فتوحات نے ہسپانیہ میں ایک مجلسی انقلاب پیدا کر دیا۔

مراعات رکھنے والے طبقے ختم کر دیے گئے تباہ حال کسان برباد شدہ غلاموں اور مظلوم یہودیوں نے قدم قدم پر عربوں کا خیر مقدم کیا۔ عربوں نے کسانوں کو ٹیکسوں کے بار سے رہائی دلائی۔ یہودیوں کو مذہبی آزادی دلائی۔ ہسپانیہ کے مسمار شدہ شہر نئے سرے سے بسائے گئے۔ نئی نئی بستیاں آباد کی گئیں۔ غلاموں اور کسانوں نے اسلام قبول کر لیا۔ عربوں نے قرطبہ میں علم و حکمت کی ایک ایسی شمع جلائی جس نے یورپ کی تاریکیوں کو منور کیا۔ عربوں نے ہسپانیہ سے کچھ نہیں لیا۔ انہوں نے ہسپانیہ کو اپنا سب کچھ دیدیا۔

نو سال اور سات مہینے حکومت کرنے کے بعد ولید بن عبد الملک اس دنیا سے چل بسا (۷۱۵) سلیمان بن عبد الملک (۷۱۵ -- ۷۱۷) اس کا جانشین ہوا۔ ولید بن عبد الملک کے عہد میں عربوں نے تونس میں جہاز سازی کا ایک بہت بڑا کارخانہ بنایا۔ نئی سڑکیں بنوائی گئیں۔ ان پر سنگِ میل نصب کروائے گئے۔ حجاج بن یوسف نے غیر عربوں کی سہولت کے لیے قرآنِ مجید پر اعراب لگوائے۔ ولید اپنے ذوقِ تعمیر کے لیے اُس دور کی ایک ممتاز ہستی ہے۔ اس نے مسجد نبوی (مدینہ) اور جامع دمشق پر دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔

سلیمان بن عبد الملک احسان اور انتقام کا آمیزہ تھا۔ اس نے عراق کے جیل خانوں کے دروازے کھول دیے۔ ہزاروں انسان جنہیں حجاج بن یوسف نے قید کر رکھا تھا آزاد کر دیے گئے۔ حجاج کے ستائے ہوئے لوگوں کو رہا کرنے کے بعد سلیمان بن عبد الملک نے ہر اس شخص کو ستایا یا قتل کروایا جسے حجاج بن یوسف سے دُور کا بھی تعلق تھا۔ محمد بن قاسم کو سندھ سے بلوا کر دمشق میں قتل کروا دیا۔ طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کو بیچارگی اور درماندگی کے عالم میں مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ سلیمان بن عبد الملک کے عہد میں عربوں نے قسطنطنیہ پر پھر حملہ کیا لیکن انہیں ناکام لوٹنا پڑا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز

سلیمان بن عبد الملک نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز (۷۱۷-۷۱۹) نے سب سے پہلے اموی خاندان کے امراء اور دوسرے عرب سرداروں سے وہ جاگیریں چھین کر عوام میں بانٹ دیں جن پر وہ قابض ہو چکے تھے۔ اپنی اور اپنے خاندان کی جاگیروں کو ان کے وارثوں کے سپرد کرنے کے بعد آپ نے رعایا کے اس مال واسباب کو واپس کیا جسے صوبائی حاکموں نے غصب کر رکھا تھا۔ عراق میں اس کثرت سے مال واپس کیا گیا تھا کہ وہاں کے انتظامی اخراجات کے لیے دمشق سے روپیہ بھیجنا پڑا۔ آپ نے اس اموی خاندان کے تمام وظائف بند کر دیے اور بیت المال کی اصلاح کی۔ جب اصطبل کے داروغہ نے گھوڑوں کے لیے اخراجات کا مطالبہ کیا تو آپ نے گھوڑوں کو فروخت کرنے کے بعد ان کی قیمت کو بیت المال میں جمع کرا دینے کا حکم دے دیا۔ آپ نے اپنا سارا آرائشی سامان بیچ کر اس کی قیمت کو بیت المال میں جمع کرا دیا۔ بیت المال کی آمدنی بڑھانے کے لیے بعض اموی گورنر نومسلموں سے جو جزیہ وصول کرتے چلے آ رہے ہیں آپ نے نومسلموں کو جزیہ سے بری کر دیا اس پر مصر کی اتنی آبادی نے اسلام قبول کیا جس سے صوبائی آمدنی بہت کم ہو گئی۔ جب مصر کے گورنر نے اس کمی کی اطلاع آپ کو بھیجی تو آپ نے جواب میں اسے لکھ بھیجا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے نہ کہ ٹیکس وصول کرنے والے۔" آپ نے کئی احکام کے ذریعہ رعایا کو غیر ضروری ٹیکسوں کے بوجھ سے نجات دلائی۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی بہت سی عبادت گاہوں کو ان کے حوالے کیا گیا۔

عدل، انصاف، سادگی اور دیانت میں حضرت عمر بن عبد العزیز کا درجہ بہت بلند ہے۔ آپ جب تک مملکت کا کام کرتے اس وقت تک بیت المال کی

شمع جلاتے اور اس کے بعد اپنا ذاتی کام کرنا ہوتا تو اس شمع کو گل کرنے کے بعد اپنا ذاتی دیا روشن کرتے۔ بیت المال کے مطبخ سے اپنے لیے پانی تک گرم نہ کرواتے۔ ایک مرتبہ آپ بیت المال میں آتے ہوئے سیبوں کو تقسیم کر رہے تھے کہ آپ کا ایک چھوٹا بچہ سیب اٹھا کر کھانے لگا۔ جب آپ کی نظر اس طرف پڑی تو آپ نے اپنے ننھے بیٹے کے منہ سے سیب چھین لیا۔ بچہ روتا ہوا اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔ بچے نے سارا واقعہ اپنی ماں سے کہہ دیا۔ ماں نے اسے بازار سے ایک سیب منگوا دیا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز گھر آتے تو انہوں نے سیب کی خوشبو پا کر اپنی بیوی سے پوچھا کہ بیت المال سے یہاں کوئی سیب تو نہیں چلا آیا۔ بیوی نے بچے کا واقعہ بیان کر دیا اس پر آپ نے کہا "میں نے بچے کے منہ سے سیب نہیں چھینا تھا بلکہ اپنے دل سے چھینا تھا کیونکہ مجھے یہ بات پسند نہ تھی کہ میں ایک سیب کے بدلے اپنے تئیں اللہ کے حضور میں برباد کر دیتا"

یزید بن عبدالملک (۷۱۹ - ۷۲۳) نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات کو منسوخ کرتے ہوئے ان کے مقرر کردہ گورنروں کو معزول کر دیا۔ حدود مملکت میں جا بجا بغاوتوں نے سر نکالا۔ ہشام بن عبدالملک (۷۲۳ - ۷۴۴) کے عہد میں عربوں کی سلطنت اپنی وسعت کی آخری حدود تک پہنچ گئی تھی۔

ہشام بن عبدالملک

ہشام بن عبدالملک کی موت کے وقت ایشیا میں عربوں کی سلطنت صحرائے سینا سے منگولیا کے ریگستانوں تک پھیل چکی تھی۔ افریقہ میں خاکنائے سویز سے آبنائے جبل الطارق تک کا علاقہ عربوں کی سلطنت میں شامل تھا۔ یورپ میں جنوبی فرانس

اور ہسپانیہ پر عربوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔

اپنے عہد کے آغاز ہی میں ہشام بن عبدالملک کو بہت سی داخلی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان بغاوتوں کے فرو کیے جانے کے بعد ہشام بن عبدالملک کی فوجوں نے ترکستان میں فتوحات کا سلسلہ جاری کیا۔ آرمینیہ اور آذربائیجان کے باغیوں کو شکست دی۔ مروان بن محمد نے خزر کا بہت سا نیا علاقہ فتح کیا۔ ایشیائے کوچک میں قونیہ اور قیساریہ پر قبضہ کیا گیا۔ جنید بن عبدالرحمٰن نے راجہ داہر کے بیٹے جے سنگھ کو شکست دی اور گجرات کا بہت سا علاقہ فتح کیا۔

ہسپانیہ کی فتح کے بعد عربوں میں فرانس کو فتح کرنے کا خیال پیدا ہو چکا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب سارے یورپ کو فتح کرنے کے لیے ایک طرف فاسفورس سے اور دوسری طرف آبنائے جبل الطارق سے بڑھنا چاہتے تھے۔ قسطنطنیہ پر اسی خیال سے کئی حملے کیے گئے۔ ہسپانیہ کے بعد فرانس فتح کرنے کی معمولی کوششیں کی گئیں، لیکن اس ضمن میں سب سے اہم کوشش ہشام بن عبدالملک کے عہد میں کی گئی سپٹی مینیا کی فتح کے بعد عرب فوجیں اندرون فرانس کی طرف بڑھیں۔ طورس کی دیواروں تلے عرب جرنیل سمح کی موت کے بعد عرب فوج نے عبدالرحمٰن غافقی کو اپنا جرنیل چن لیا۔ چند ماہ بعد قیروان کا مقرر کردہ جرنیل عنبہ پہنچ گیا۔ عنبہ نے نہ صرف سپٹی مینیا کی فتح کو مکمل کیا بلکہ برگنڈی کا بھی رخ کیا۔ عنبہ کی موت کے بعد یکے بعد دیگرے کئی ایک جرنیل مقرر کیے گئے یہاں تک کہ عبدالرحمٰن غافقی کو دوبارہ فرانس کی مہم کا کمانڈر بنایا گیا۔ عبدالرحمٰن غافقی نے ہسپانیہ کے سارے صوبوں کا دورہ کر کے وہاں کے نظم ونسق کی خامیوں کو دور کیا۔ اب امیر عبدالرحمٰن نے فرانس کی طرف توجہ کی۔

۷۳۲ء میں عرب فوجیں بیگورل اور برن کی دیواروں میں سے گزر کر فرانس میں داخل ہوئیں۔ آرمینیہ پر قبضہ کرنے کے بعد عرب فوجیں بوردیو کی طرف بڑھیں۔ عربوں

نے اس شہر پر بھی قبضہ کرلیا۔ دار ددن کے کناروں پر عربوں نے فرانکوں کو ایک اور شکست دی۔ لائینز اور سینز پر قبضہ کرنے کے بعد عبدالرحمٰن فرانک حکومت کی راجدھانی کی طرف بڑھا۔ ڈیوک نے چارلس سے امداد طلب کی اسی اثنا میں عرب فوجیں طورس پر قبضہ کر چکی تھیں۔ اِدھر سے چارلس بہت بڑی فوج لے کر جنوب کی طرف بڑھا۔ عبدالرحمٰن کی فوجوں نے لوآئیر کو عبور کرلیا۔ چارلس بھی آن پہنچا تھا۔ آٹھ دن تک دونوں فوجوں میں معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ نویں دن چارلس کے ایک دستے نے عربوں کے ان خیموں پر ہلہ بول دیا، جہاں مال غنیمت جمع کیا ہوا تھا۔ بربری سپاہیوں نے ان خیموں کی حفاظت کے لیے فوجی ضبط کو توڑ دیا۔ اس ضبط کے ٹوٹتے ہی چارلس نے بڑا ہلہ بول دیا۔ عرب فوجیں بڑی بہادری سے لڑتی رہیں۔ امیر عبدالرحمٰن اسی لڑائی میں مارے گئے شام تک شدید لڑائی ہوتی رہی۔ رات کی تاریکی نے دونوں فوجوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ اگلی صبح عرب فوجیں میدانِ جنگ سے بہت پیچھے ہٹ چکی تھیں۔

پانچ سال بعد ہسپانیہ کے نئے عرب گورنر عقبہ بن حجاج نے فرانس کے کئی ایک شہروں کو پھر سے فتح کیا۔ چارلس نے فوج جمع کی اور عربوں کو کئی مقامات پر شکست دی۔ ہسپانیہ کے عربوں میں خاندانی جھگڑے شروع ہو چکے تھے۔ ان جھگڑوں نے ہسپانیہ کے امن و امان کو بہت حد تک خراب کر دیا تھا۔

ہشام بن عبدالملک کے عہد میں بحیرۂ روم کے کئی جزیروں پر عربوں نے قبضہ کرنے کے بعد سسلی کی مہم کو شروع کیا۔ سسلی کی راجدھانی سرقوسہ (سارا کیوز) پر قبضہ کرنے کے بعد عرب سارے جزیرے کو فتح کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ شمالی افریقہ میں بربریوں نے بغاوت کر دی۔ چنانچہ سسلی سے عرب فوجوں کو شمالی افریقہ جانا پڑا۔ بربریوں کے مسلمان ہو جانے کے باوجود شمالی افریقہ کا گورنر ان سے جزیہ وصول کرتا تھا۔ بربریوں نے طنجہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ جب بربریوں کی فتح کی خبر ہسپانیہ

میں پہنچی تو وہاں کے بربریوں نے بھی بغاوت کر دی۔ بربریوں کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے ہشام بن عبدالملک نے شمالی افریقہ میں ایک تازہ دم فوج بھیجی۔ اس فوج نے شمالی افریقہ میں بربریوں کی قوت کو توڑ دیا۔

مسعودی کے الفاظ میں ہشام بن عبدالملک "منتظم، کفایت شعار، بیدار مغز اور صاحب تدبیر تھا"۔ وہ بیت المال میں کسی رقم کو اس وقت تک داخل نہ ہونے دیتا جب تک کہ اسے یہ یقین نہ ہو جاتا کہ اس رقم کے حاصل کرنے میں کسی قسم کے ناجائز ذرائع استعمال نہیں کیے گئے۔ اس نے مرکزی دفاتر کی از سرِ نو تنظیم کی۔ عدالتوں میں عرب اور غیر عرب کے امتیاز کو مٹا دیا گیا۔ اس نے سرحدوں پر چھاؤنیاں قائم کیں۔ بحری بیڑے کی ترقی کے لیے اس نے شمالی افریقہ میں جہاز سازی کے کئی کارخانے قائم کروائے۔ سندھ میں منصورہ اور محفوظہ کے نام سے دو نئے شہر بسائے گئے۔ ہشام بن عبدالملک کسی ایسی بدعت کو پسند نہیں کرتا تھا جس سے عقائد میں رخنہ پیدا ہونے کا احتمال ہو۔ اس کی زندگی پاکیزہ اور سادہ تھی۔ اسے عیش و عشرت سے نفرت تھی۔ موسیقی سے اُسے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ ایک مرتبہ اس کے سامنے ایک شخص کو پیش کیا گیا جو گانے والی عورتوں اور راگ سے زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ ہشام نے حکم دیا کہ اس کا طنبورہ اس کے سر پر توڑ دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل کے بعد اس شخص نے رونا شروع کر دیا۔ "روتے کیوں ہو، صبر سے کام لو" ہشام نے اس سے کہا "حضور! میں کسی درد کی وجہ سے نہیں روتا بلکہ اس قدر ناشناسی پر روتا ہوں کہ آپ نے بربط کو طنبورہ کہا" اس راگی نے جواب دیا۔

ہشام کی زندگی کے آخری دنوں میں عراق اور خراسان میں عباسیوں کی دعوت بہت مؤثر ثابت ہو رہی تھی۔ ہشام بن عبدالملک نے امیر نصیر بن سیار کو عباسیوں کی دعوت کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے خراسان بھیجا تھا کہ وہ اس دنیا سے چل بسا۔

چھٹا باب

بنو اُمیّہ کا زوال

اسباب و محرکات

ہشام بن عبدالملک کی وفات کے بعد اموی سلطنت کو زوال آنا شروع ہو گیا۔ مروان ثانی کے عہدِ حکومت (۷۴۵-۷۴۹ء) میں زوال کے اسباب پر قابو پانا ناممکن ہو گیا۔ مروان عیش و عشرت سے نفیر اور سادہ زندگی کا عادی تھا۔ اس میں سپاہیانہ اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے اس کی شخصیّت نے بعض لوگوں میں یہ خیال پیدا کر دیا تھا کہ وہ اموی سلطنت کی گرتی ہوئی دیوار کو تھامنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اگر وہ اپنے آپ کو قبائلی عصبیت سے بلند کر دیتا تو بنو اُمیّہ کی تاریخ مختلف ہوتی وہ قبائلی عصبیت کو مٹانے کی جگہ خود اس میں ایک فریق بن گیا جس سے اُمویوں کا زوال یقینی ہو گیا۔ دونوں قبیلوں کے شاعروں نے اپنے اپنے قبیلے کے جذبات کو مشتعل کرنے کے لیے نظمیں لکھیں۔

حمص اور فلسطین میں بغاوت ہو گئی۔ خارجیوں نے صحرا سے نکل کر امویوں کی حکومت کے خلاف مظاہرے شروع کر دیے۔ انہوں نے یمن، حجاز اور عراق پر قبضہ کر لیا مروان نے حمص اور فلسطین کی بغاوتوں کو فرد کرنے کے بعد یمن، حجاز اور عراق سے خارجیوں کو نکالا۔ خارجی ایران میں چلے گئے۔ اس اثنا میں عربوں کے دو بڑے قبیلوں کی خانہ جنگی نے عباسیوں کو امویوں کی سلطنت ختم کرنے کا موقع دے دیا۔ ابو مسلم خراسانی نے خراسان کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ امویوں کے بیشتر حکمرانوں نے اپنے ایشیائی مقبوضات کی غیر عرب آبادی کو مطمئن کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے علاوہ حکمران

خاندان کے افراد یہاں کے عرب آبادکاروں سے بھی اچھا سلوک نہیں کرتے تھے۔ ان امور کے پیشِ نظر عراق اور ایران کے عرب اور غیر عرب ابو مسلم خراسانی کے ساتھ شامل ہو گئے خراسان کے عرب حاکم نصیر بن سیار نے ابو مسلم کی بڑھتی ہوئی طاقت کو اشعار میں بیان کرتے ہوئے کہا "مجھے راکھ میں دبی ہوئی چنگاریاں دکھائی دے رہی ہیں۔ ڈر ہے کہ وہ کہیں بھڑک نہ اٹھیں، کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ بنو امیہ سو رہے ہیں یا جاگتے ہیں اگر وہ اس نازک وقت میں سو رہے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ بیدار ہونے کا وقت آن پہنچا ہے" مروان نے خراسان میں کوئی کمک نہ بھیجی۔ ابو مسلم نے سارے خراسان پر قبضہ کر لیا۔ نصیر بن سیار خراسان چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلا گیا۔

مروان نے امام ابراہیم کو جنوبی فلسطین کے ایک شہر میں سے گرفتار کر لیا تھا اس لیے اب ابو مسلم خراسانی نے امام ابو العباس بن عبداللہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں امام ابراہیم کا جانشین بنایا۔ عباسیوں کے حامیوں نے خراسان کے عربوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ خراسان کے علاوہ ابو مسلم نے عراق عجم پر بھی قبضہ کر لیا۔ عباسیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مروان ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں کی فوج لے کر زاب کے کنارے ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ زاب کے کنارے شدید ترین لڑائی ہوئی۔ اموی فوج کو شکست ہوئی۔ مروان اپنی جان بچاتا ہوا مصر کی طرف بھاگ نکلا۔ مارچ ۷۵۰ء (زاب کی جنگ کے تین مہینے بعد) میں عباسیوں نے دمشق کی دیواروں پر اپنا سیاہ جھنڈا لہرا دیا۔ مروان کا پیچھا کیا گیا۔ وہ مصر میں قتل کر دیا گیا۔ مروان کے قتل کے ساتھ ہی ایشیا میں اموی سلطنت کا چراغ گل ہو گیا۔

مروان کے قتل اور اموی حکومت کے اختتام سے عباسیوں کے جذبات انتقام کی تسکین نہیں ہوئی تھی اس تسکین کے لیے انہوں نے اموی خاندان کے ہر اس فرد کو جسے وہ پا سکتے تھے قتل کروا دیا۔ امویوں کی ایک جماعت کو کھانے پر بلوا کر انہیں قتل کروا دیا گیا۔

تڑپتی ہوئی نعشوں پر دستر خوان بچھوا کر عباسیوں نے کھانا کھایا۔ زندوں سے انتقام لیا جاچکا تھا۔ اب مُردوں کی باری تھی۔ اموی حکمرانوں کی قبریں کھدوا کر ان کی مٹی کو ہوا میں اڑا دیا گیا۔ ہشام بن عبدالملک کی نعش کو سولی پر لٹکا کر جلا دیا گیا۔ عباسیوں کے ہاتھ سے عبدالرحمٰن نامی ایک اموی بچ کر ہسپانیہ پہنچ گیا۔

بنو امیہ کے عہد میں دمشق دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت اور بارونق شہر تھا اموی حکمرانوں نے حسین وجمیل مسجدوں اور عالی شان محلوں سے اس شہر کے حسن میں اضافہ کیا۔ آب رسانی کا انتظام حیرت انگیز تھا۔ اس عہد میں اگرچہ پولو کا رواج نہیں ہوا تھا پھر بھی گھوڑ دوڑ کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ مسلم علما کی مخالفت کے باوجود دمشق کے دربار میں کئی ایک بازنطینی رسمیں رائج ہو چکی تھیں۔ یونانی اور پہلوی زبانوں کی چند ایک کتابوں کے عربی میں تراجم کراتے گئے۔ خالد بن یزید نے طب اور کیمیا پر کئی ایک کتابیں لکھیں۔ مدینۃ النبیؐ میں امام جعفر صادق نے درس و تدریس کا بہت بڑا سلسلہ شروع کیا تھا۔ آپ کے درس میں دُور دراز علاقوں کے طالب علم شریک ہوتے تھے۔ امام حسن بصری آپ ہی کے شاگردوں میں سے تھے۔

اموی عہد میں علوم وفنون

اموی عہد میں عراق کے دو شہر کوفہ اور بصرہ علوم وفنون کے نہایت اہم مرکز تھے۔ بصرہ میں سب سے پہلے عربی گریمر لکھی گئی۔ یہ گریمر غیر عرب مسلمانوں کے لیے لکھی گئی تھی، جو عربی زبان سیکھنا چاہتے تھے۔ اس عہد میں حدیث، فقہ اور دینیات پر بھی چند کتابیں لکھی

گئیں۔ اموی حکمرانوں کی خواہش پر پرانے وقتوں کی عرب قوموں اور عرب بادشاہوں کی تاریخ لکھی گئی۔ اسی عہد میں مذہبی فلسفہ کی اس تحریک کی بنیاد رکھی گئی جس نے آگے چل کر معتزلہ تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ اس عہد میں فن خطابت نے بہت ترقی کی۔ حسن بصری، زیاد اور حجاج کی تقریروں سے اس عہد کی خطابت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سرکاری مراسلت نے علم انشا کو پیدا کیا۔ اموی عہد میں شاعری اپنے عروج پر تھی۔ اس عہد کا شاعر جاہل شاعر سے ملتا جلتا ہے۔ غزلیہ شاعری کے ہر طرف چرچے تھے۔ شعر و شاعری کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ الفرزدق، الاخطل اور جریر کے اشعار میں سیاسی جانب داری دکھائی دے رہی ہے۔ اسی عہد میں شامی، یونانی اور ایرانی زبانوں سے عربی میں مختلف علوم منتقل ہونے شروع ہو چکے تھے۔ خالد بن یزید نے کیمیا، طب اور ہیئت کی کتابوں کا یونانی اور قبطی سے عربی میں ترجمہ کیا۔

عربوں کے فن تعمیر کا آغاز یمن سے ہوا۔ یمنی شہروں کے کھنڈرات تک عربوں کے اس قدیم فن تعمیر پر روشنی ڈالتے ہیں۔ جنوب عرب کے فن تعمیر کا شمالی عرب پر کوئی اثر نہ پڑا۔ نخلستانوں میں آباد بستیوں کے مکان دھوپ میں سکھائی ہوئی اینٹوں سے بنائے جاتے تھے۔ ان مکانوں پر کھجور کے تنوں اور پتوں کی چھت پڑی ہوتی تھی۔ یہ مکان بہت ہی سادہ ہوتے تھے۔ شام اور ایران کی سرحدوں پر واقع پرانی عرب ریاستوں کا فن تعمیر بازنطینی، شامی اور ایرانی انداز کا تھا۔ اموی عہد میں شام، مصر، حجاز اور عراق میں بڑی بڑی اور خوبصورت مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ اموی عہد ہی میں عربوں کی تاریخ نگاری کا آغاز ہوا۔ اس عہد میں سب سے پہلے جنوبی عرب کے ایک مورخ عابد نے عربوں کے قدیم بادشاہوں اور عربوں کی پرانی قوموں کی ایک تاریخ مرتب کی۔ مسعودی کے زمانہ میں عابد کی یہ تاریخ بہت مقبول تھی۔ اسی عہد میں چند یہودی نو مسلم مورخوں نے چند ایک یہودی روایات کو مسلم روایات میں شامل کر لیا تھا۔

اموی عہد میں جون دمشقی کی وساطت سے یونانی افکار عربوں تک پہنچے۔ اگرچہ جون یونانی میں لکھتا تھا لیکن وہ سریانی اور عربی اچھی طرح سے جانتا تھا۔ اسی عہد میں خطابت نے ایک فن کی صورت اختیار کر لی تھی۔

خالد بن یزید نے یونانی اور قبطی زبانوں سے کیمیا، طب اور جوتش کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ان علوم نے عباسی دَور میں بہت زیادہ ترقی کی۔

ساتواں باب

دورِ عباسیہ

عباسیوں (۷۴۹-۱۲۵۸) کے برسرِ اقتدار آتے ہی شام نے اپنی اہمیت کھو دی۔ حکومت کا مرکز عراق میں منتقل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی خلافت کا اتحاد ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ ہسپانیہ نے ابتدا ہی سے عباسیوں کے اقتدار کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ مغربی افریقہ بھی آہستہ آہستہ عباسیوں کے اثر سے نکل گیا (عباسی سلطنت کے اس سکڑاؤ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ عباسیوں نے اپنی مملکت کے تمام ذرائع کو اس کی ترقی پر صرف کر دیا)

عباسیوں کا دَور تاریخ عالم کا ایک شاندار باب ہے۔ اپنے عہدِ عروج میں بغداد متمدن دنیا کے چند مرکزوں میں سے ایک اہم مرکز تھا۔ اس خاندان کے پہلے حکمران السفّاح کی سختیوں کے سبب شام اور عراق میں کئی ایک شورشیں ہوئیں۔ سفاح نے اپنی موت سے پہلے اپنے بھائی ابوجعفر کو اپنا جانشین نامزد کیا عباسی خاندان کا پہلا حکمران اگرچہ سفاح تھا لیکن اس خاندان کا حقیقی بانی ابوجعفر منصور تھا۔ منصور کے بعد ان شاندار عباسی حکمرانوں کا دَور شروع ہوتا ہے جن کے کارناموں کا آج بھی استنبول سے دلی تک چرچا ہے۔ جعفر کے تخت نشین ہوتے ہی اس کے چچا عبداللہ بن علی نے شام میں بغاوت کر دی۔ ابومسلم نے عبداللہ بن علی کو شکست دی۔ عبداللہ بن علی کو شکست دینے کے بعد ابومسلم خراسان جانا چاہتا تھا۔ جہاں اسے ایک آزاد حکمران کا درجہ حاصل تھا

ابومسلم کا یہ اقتدار منصور کو ناپسند تھا۔ منصور چاہتا تھا کہ ابومسلم کے خراسان پہنچنے سے پہلے اس کا کام تمام کر دے۔ منصور نے اسے شام کی ولایت پیش کی لیکن وہ اس پیش کش کو مسترد کرتے ہوئے خراسان کی طرف چل پڑا تھا۔ منصور نے اس سے طرح طرح کے وعدے کر کے اُسے اپنے محل میں بلا لیا۔ چند دن تک منصور کی تواضع ہوتی رہی۔ مہمان نوازی کا یہ سلسلہ کب تک جاری رہ سکتا تھا۔ ایک دن منصور کی موجودگی ہی میں ابومسلم کو قتل کر دیا گیا۔

منصور نے بغداد کو دارالخلافہ بنایا۔ اس شہر میں تھوڑی ہی مدت میں اتنی رونق ہو گئی گویا کسی جادوگر نے اس شہر کو بطن زمین سے نکال کر دجلہ کے کناروں پر کھڑا کر دیا ہو۔

ابومسلم کے قتل کی خبر پا کر خراسان نے بغاوت کر دی۔ منصور نے اس بغاوت کو فرو کر دیا۔ منصور نے ہسپانیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن عبدالرحمٰن اموی نے منصور کی فوجوں کو شکست دی۔ منصور کی موت پر اس کا بیٹا مہدی تخت نشین ہوا۔ تخت نشین ہوتے ہی اس نے بہت سے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ منصور نے جن لوگوں سے جرمانے وصول کیے تھے۔ مہدی نے انہیں ان کے مالکوں کے حوالے کر دیا۔ اس نے ناداروں اور سپاہیوں کے لیے پنشن مقرر کی۔ قادسیہ سے مکہ جانے والی سڑک کو مہدی نے مکمل کر دیا۔ مہدی کے زمانہ میں مروان دوم نے شام میں بغاوت کرنی چاہی لیکن اُسے دبا دیا گیا۔

ہاشم بن حاکم (نقاب پوش) نے مہدی ہی کے زمانہ میں یہ دعوےٰ کیا تھا کہ خدائی صفات مختلف پیغمبروں میں سے گزرتی ہوئی اس میں حلول کر چکی ہیں۔ عربوں کی تاریخ میں ہاشم بن حاکم المقنع یعنی نقاب پوش کہلاتا ہے کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے بھیانک چہرے کو چھپانے کے لیے نقاب اوڑھ لیا تھا لیکن اس کے مریدوں نے عوام میں

یہ مشہور کر رکھا تھا کہ اگر المقنع اپنا نقاب الٹ دے تو اس کے رُخ انور کی تجلی دیکھنے والے کو اندھا کر دے گی۔ المقنع مزدکی اصولوں کا بہت بڑا حامی تھا۔ اس انقلاب پسند نے اپنے گرد بہت سے غیر مطمئن لوگوں کو جمع کر لیا تھا وہ ایک طویل مدت تک شاہی فوجوں کا مقابلہ کرتا رہا لیکن آخر اُسے شکست ہوئی۔ اس کی موت کے بعد جرجان میں ُسرخ پوشوں نے مزدکی اصولوں کی بنا پر شورش پیدا کی، لیکن بغداد نے ان پر قابو پا لیا۔ ان تحریکوں نے جو سیاسی اور معاشی اسباب سے پیدا ہوئی تھیں خراسان، مغربی ایران اور عراق میں زندیقی تحریک پیدا کر دی۔ زنادیق کے ذہنوں پر مزدکیت مسلط تھی اس لیے مہدی نے نوشیرواں کی طرح ان جدید مزدکیوں کو بے دردی کے ساتھ کچل دیا۔ مہدی نے اس عوامی تحریک کو خلاف قانون قرار دے دیا۔

مہدی کی وفات (۷۸۵ء) کے بعد ہادی اس کا جانشین مقرر ہوا۔ اس نے دو سال تک حکومت کی۔ وہ اپنے بھائی کی صلاحیتوں سے محروم تھا۔ اس نے اپنے مختصر ایامِ حکومت میں اپنے بیٹے جعفر کو اپنا جانشین بنانے کی بہت کوشش کی اسی سلسلہ میں اس نے ہارون کے مشیر کار یحییٰ بن خالد برمکی کو قید کر دیا۔ ان تمام کوششوں کے باوجود ہادی نے مرتے وقت ہارون کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

ہارون اور مامون

ہارون الرشید کا شمار دنیا کے بہت بڑے حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ اس نے بغداد کو دنیا کا سب سے بڑا علمی مرکز بنا دیا۔ ہارون کے عہد میں ایشیائی عربوں کی تہذیب اپنے کمال کے بلند ترین مقام پر تھی۔ اس بڑے آدمی کی زندگی نے بغداد کی عرب

سوسائٹی کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ پُرامن دنوں میں وہ علم و حکمت کا مربی نظر آتا ہے جنگ و جدل کے ایام میں وُہ ایک بکتر بند سپاہی دکھائی دیتا ہے۔ وُہ سپاہیانہ شجاعت اور فاضلانہ ذکاوت کا ایک حیرت انگیز آمیزہ تھا۔ اس کی بنائی ہوئی مسجدوں، سکولوں، کالجوں، ہسپتالوں اور نہروں سے اس کے رفاہی کاموں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ شخصی اقتدار سے پیدا ہونے والے مسائل کا ہارون کو بھی سامنا کرنا پڑا لیکن اس کے باوجود ہارون کا عہدِ حکومت کامیاب تھا۔ ہارون کے عہد کی ترقیوں میں بلخ کے نومسلم خاندان البرامکہ (برمکھ) کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ سترہ سال تک برمکیوں نے ہارون الرشید کی سلطنت کے فروغ میں اپنی ساری صلاحیتیں صرف کیں۔ برمکیوں نے نظم و نسق میں ہارون سے بھی زیادہ اقتدار اور مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ سلطنت بغداد کے دور دراز کونوں تک برمکیوں کی سخاوت، شجاعت اور ذہانت کی داستانیں پہنچ چکی تھیں سلطنت کے دور افتادہ گوشوں میں جہاں ہارون کا نام تک نہیں پہنچا تھا۔ وہاں برمکیوں کی شہرت پہنچ چکی تھی۔ سلطنت کا ہر سائل اور ہر ملازم ان کی نگاہ کرم کا منتظر رہتا سلطنت کے ہر بڑے شہر کے بازاروں میں ان کے چرچے تھے، ہر گاؤں میں ان کے انعام و اکرام کے گیت گاتے جاتے۔ شخصی اقتدار کی خامی نے برمکیوں کے احسانات کو بھلا دیا۔ درباریوں کی سازشوں نے ہارون کو یقین دلا دیا کہ برمکی دولت عباسیہ کے زوال کے خواہاں ہیں۔ شاہی عتاب نے اپنے محسنوں کو مٹانے کا حکم دے دیا۔ جعفر کو قتل کر دیا گیا۔ بوڑھے یحییٰ بن خالد کو فضل، موسےٰ اور محمد سمیت قید کر لیا گیا۔ شاہی عتاب نے کتنی جلدی اپنے محسنوں کو فراموش کر دیا۔

ہارون الرشید کے عہدِ حکومت میں خارجیوں نے کئی مرتبہ بغاوت کی لیکن ہر بار ان کی بغاوت کو فرو کر دیا گیا۔ خارجیوں کی ایک بغاوت کی رہنمائی لیلےٰ نامی ایک دوشیزہ نے کی۔ اپنے بھائی ولید کی موت کے بعد اس نے باغیوں کی کمان سنبھالی۔ اس نے

ہارون کی فوجوں کا کئی بار مقابلہ کیا۔ شاہی فوجوں میں لیلیٰ کا ایک رشتہ دار تھا جس کے کہنے سننے سے اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ لیلیٰ اپنی شجاعت اور حسن کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔

ہارون الرشید کی وفات کے بعد (۸۰۹) اس کا بیٹا امین اس کا جانشین ہوا۔ بہت جلد امین اور مامون میں اختلافات بڑھ گئے۔ دونوں بھائیوں میں لڑائی ہوئی جس میں امین کی فوج نے شکست کھائی۔ اب مامون نے امیرالمومنین کا لقب اختیار کرلیا۔ سارے ایران نے اسے خلیفہ تسلیم کرلیا۔ مامون کے سپاہیوں نے بغداد کا محاصرہ کرلیا جس میں بغداد کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔ بڑی بڑی عمارتیں تباہ ہوگئیں۔ آدھا شہر ویران ہوگیا۔ امین نے اپنے آپ کو مامون کے سپرد کردیا۔ لیکن ایرانی سپاہیوں نے اسے قتل کردیا۔ ساڑھے چار سال تک حکومت کرنے کے بعد امین ۲۸ سال کی عمر میں مارا گیا۔

اگر مامون فوراً بغداد میں داخل ہوجاتا تو اس کا ابتدائی عہد حکومت بہت سے تنازعات سے بچ جاتا۔ مامون نے امام رضا کو اپنا جانشین نامزد کیا جس سے بغداد کے عباسی اکابر بگڑ گئے۔ بغداد میں بدامنی کا دور دورہ شروع ہوگیا یہاں تک کہ مامون نے بغداد میں داخل ہوکر امن و امان قائم کیا۔ راہ میں طوس کے مقام پر امام رضا کا انتقال ہوگیا۔ مامون نے امام رضا کا روضہ تعمیر کروایا۔ جب مامون بغداد میں داخل ہوا (۸۱۹) تو اس کا بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا گیا۔

سات سال بعد مامون نے اپنے وزیر حسن کی بیٹی بوران سے شادی کی۔ اس موقعہ پر دونوں طرف سے شان و شوکت کے مظاہرے کیے گئے۔ حسن نے سترہ دن تک براتیوں کی تواضع میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ شاہی خاندان کی دوشیزاؤں کے حسن و جمال کو برات میں موجود شاعروں نے اپنا موضوع سخن بنایا۔ دلہن اپنے حسن و جمال میں یکتا تھی۔

بوران کا شمار عباسی عہد کی بڑی بڑی خواتین میں ہوتا ہے۔ اس نے بغداد میں عورتوں کے لیے کئی ہسپتال بنوائے۔ مامون کی موت کے بعد پچاس سال تک زندہ رہ کر عباسیوں کے عروج و زوال کو دیکھتی رہی۔
مامون کے عہد حکومت کے آغاز میں جب بدامنی کا دور دورہ تھا۔ بابک خرمی نے ماژندران کی مستحکم قلعہ بندیوں سے اتر کر سلطنت بغداد کے حصوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ بابک خرمی کئی سال تک بغداد کی فوجوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ ایک مرتبہ جب اس کے لیے شاہی فوجوں کا مقابلہ کرنا دشوار ہوگیا تو اس نے بازنطین کے شہنشاہ کو سلطنت بغداد پر حملہ کرنے کے لیے اکسایا۔ بازنطینی شہنشاہ اس کے لیے تیار ہوگیا۔ مامون نے بازنطینی فوجوں کو شکست دی۔ بازنطینی حملوں کی روک تھام کے لیے وہ طرطوس کے قریب ایک لائن بنانے میں مصروف تھا کہ ۸۳۳ء میں وہ اس دنیا سے چل بسا۔ مامون نے معتصم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ مامون کا عہد حکومت علوم و فنون کی ترقی کے لیے بہت مشہور ہے۔ اس عہد میں بڑے، بڑے نامور علما پیدا ہوئے۔ فلسفہ کے مختلف اسکول قائم ہوئے جن میں سب سے اہم اعتزال کا سکول ہے۔ مامون ہی کے عہد میں فارسی شاعری کا آغاز ہوا۔

معتصم (۸۳۳ - ۸۴۲) نے وسط ایشیا کے ترک غلاموں اور پیشہ ور سپاہیوں کی ایک فوج مرتب کی۔ اس مملوکی فوج نے بہت جلد رومی سلطنت کے "پریٹورین سپاہیوں" کی طرح شاہگری کے اختیارات حاصل کر لیے وہ جسے چاہتے تخت پر بٹھا دیتے اور جسے چاہتے تخت سے اتار دیتے۔ تخت اور تختہ دونوں ان کے اختیار میں تھے۔ معتصم نے بغداد چھوڑ کر سمارا کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا، جہاں وہ اپنے ڈھائی لاکھ مملوک سپاہیوں کے ساتھ رہتا۔ معتصم کے عہد میں دجلہ کے کناروں پر ستر ہزار جاٹوں کا ایک قبیلہ نمودار ہوا۔ معتصم نے انہیں سلیشیا کی سرحد پر آباد کر دیا۔ جہاں یونانیوں کے حملوں نے ان کی تعداد ختم کر دی۔ بچے کھچے جاٹ تھریش کے علاقوں میں منتشر ہو گئے

اِسی اثنا میں بابک خرمی کی بغاوت دُور دُور تک کے علاقوں کو متاثر کر چکی تھی۔ معتصم کے جرنیل افشین نے بابک خرمی کو گرفتار کر کے اُسے بغداد کے بازاروں میں ذلیل و خوار کرنے کے بعد قتل کر دیا۔ معتصم نے زرعی ترقی کی جانب بہت زیادہ توجہ کی۔ معتصم کی موت کے بعد اس کا بیٹا واثق (۸۴۲ — ۸۴۹) تخت نشین ہُوا۔ اس نے آرٹ اور انڈسٹری کی حوصلہ افزائی کی۔ واثق بھی اپنے باپ کی طرح عربوں اور ایرانیوں کو فوجی خدمات سے محروم کر کے اپنی فوج میں ترکوں کی تعداد کو بڑھاتا رہا۔ واثق کی موت کے بعد دو سو سال تک بغداد کے حکمران بغیر کسی اقتدار کے تخت پر بٹھا دیے جاتے اور پھر بغیر کسی قسم کے اظہار افسوس کے قبر تک پہنچا دیے جاتے۔ واثق کی موت کے بعد عباسیوں کا زوال شروع ہو گیا۔

عباسیوں کا زوال

متوکل (۸۴۷ - ۸۶۱) نے اپنے کو شراب پینے اور عیش و عشرت میں اس حد تک غرق کر دیا کہ اس کی سلطنت تباہی اور بربادی کے کناروں تک پہنچ گئی۔ اس نے اعتزال کو خلاف قانون قرار دے کر معتزلین پر بہت زیادہ سختیاں کیں۔ غیر مسلموں کو بھی اس نے کافی دکھ پہنچایا۔ متوکل کے طرز عمل سے تنگ آکر ترکی فوج نے اُسے قتل کر دیا۔ منتصر کی اچانک موت کے بعد ترکی سرداروں نے معتصم کے پوتے مستعین کو تخت پر بٹھایا۔ اس کے عہد میں صوبائی حکومتوں پر مرکز کا اقتدار کم ہو گیا۔ بنو طاہر نے نیشاپور (خراسان) میں اپنی آزاد حکومت قائم کر لی۔ بہت جلد دوسرے مشرقی صوبوں نے بھی خراسان کی تقلید کی۔ مستعین ترکی فوج کے اثر سے رہائی حاصل کرنے کے لیے سامرا سے بغداد بھاگ نکلا۔ ترکوں نے معتز کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اب ترکی فوج کے سرداروں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔ احمد بن طولون مصر کا آزاد حکمران بن گیا۔ معتز کے پاس چونکہ ترکی فوج کو تنخواہ دینے کے لیے رقم موجود نہیں تھی۔

اس پر ترکی فوج کے چند سپاہیوں نے اُسے محل سے نکال کر بازاروں میں گھسیٹنے کے بعد
کر دیا جہاں اُسے قتل کر دیا گیا۔ اب مہتدی کو تخت پر بٹھایا۔ اس نے دربار کو ترکی اثر
سے آزاد کرانا چاہا لیکن اس کا حشر بھی اپنے پیش رو جیسا ہوا۔ اب معتمد کی باری تھی۔ ا
ایک کر کے صوبے آزاد ہونے لگے۔ بازنطینی شہنشاہ نے موقع پا کر شام پر قبضہ کر لیا لیکن
احمد بن طولون نے اسے شکست دے کر شام کو اس کے قبضہ سے رہائی دلائی۔ معتضد
(۸۹۲-۹۰۲) نے عباسی سلطنت کو از سرِ نو منظم کرنا چاہا۔ اس نے بازنطین سے کئی
علاقے چھین لیے۔ اس نے کردوں کو عراق سے نکال دیا۔ مصر کا دوبارہ الحاق کیا۔ اس
بغداد کو چوروں اور بدمعاشوں سے پاک کیا۔

معتضد کی انتہائی کوششوں کے باوجود عباسی سلطنت کے صوبوں کے عوام میں بہت
زیادہ بے چینی پیدا ہو رہی تھی۔ نظم و نسق کی خرابی اور ٹیکسوں کی زیادتی نے عوام کو بہت
پریشان کر دیا تھا۔ ان بے چین عناصر نے کوفہ میں قرامطیہ تحریک کی صورت اختیار کر لی نئی تحریک
کے چلانے والوں کو انقلاب پسندوں کی آماجگاہ بحرین میں بہت کامیابی ہوئی۔ ابوسعید
کی زیر کمان انہوں نے کلدہ اور شام میں معتضد کی فوجوں کو شکست دی۔ ابوسعید کے قتل کے
بعد اس کا بیٹا ابوطاہر قرامطیوں کا لیڈر بنا۔ پندرہ سال تک قرامطیوں نے معتضد کی فوجوں
کو ہر مقام پر شکست دی۔ یہاں تک کہ مقتدر نے اپنی تمام قوت کو یکجا کر کے ان انقلاب
پسندوں کی تحریک کو کچل کر رکھ دیا۔

مکتفی (۹۰۲-۹۰۷) نے مصر کو اپنی سلطنت میں شامل کیا اور بازنطینی حملوں کی
تھام کی۔ اس کی موت کے بعد اس کا بھائی مقتدر (۹۰۷-۹۳۲) تخت پر بیٹھا۔ اس
کے عہد حکومت کے ابتدائی دنوں میں نظم و نسق اس کے وزیروں کے قبضہ میں رہا
آخری ایام حکومت میں اس کی ماں سلطنت کے کام کاج پر چھائی رہی۔ قرامطیوں کے
کچلے جانے کے بعد بغداد میں حنبلیوں کا بہت زور ہو گیا۔ وہ لوگوں کے گھروں میں گھس جاتے

ہر اس چیز کو ضائع کر دیتے جو ان کے ذوق کے خلاف ہوتی۔ وہ کتب فروشوں کی دکانوں میں داخل ہو کر سائنس اور فلسفے کی کتابوں کو جلا دیتے۔ مقتدر کا جانشین القاہر ابھی دو سال بھی حکومت نہ کرنے پایا تھا کہ ترکی فوج کے سرداروں نے اُسے اندھا کر دیا۔ الراضی (۹۳۴ - ۹۴۰) کے عہدِ حکومت میں عباسی سلطنت کا تقریباً ہر صوبہ مرکز سے کٹ گیا۔ بغداد کی سلطنت سمٹ کر چند مربع میل تک محدود ہو گئی۔ اس وقت ہسپانیہ کے اموی خاندان کے حکمرانوں نے امیر المومنین کا لقب اختیار نہیں کیا تھا لیکن بغداد کی مرکزیت ختم ہوتے ہی عبدالرحمٰن سوم نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ المتقی (۹۴۰-۹۴۴) کو کئی بار بغداد سے بھاگنا پڑا۔ متکفی کے عہد میں اس کے وزیر اعظم معز الدولہ نے عنان اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ۹۴۶ء میں معز الدولہ نے خلیفہ کو اندھا کر دیا اور المطیع باللہ (۹۴۶ - ۹۷۴) کو اس کی جگہ بغداد کے تخت پر بٹھایا۔ معز الدولہ کی وفات پر اس کے بیٹے عز الدولہ نے وزارت عظمیٰ سنبھالی۔ عز الدولہ نے ۹۷۴ء میں المطیع کو تخت سے اتار کر الطائع باللہ کو تخت پر بٹھایا۔ مطیع اور طائع کے عہد حکومت وزارت عظمیٰ کی معارف پروری کے سبب مسعودی، ابونصر فارابی، متنبی، ابوالفرج، دنیاوری، ابن السلام، عبدالرحمٰن صوفی اور ابوالغا اپنے علمی اور ادبی کارناموں کی وجہ سے مشہور ہیں۔ طائع کو بہا الدولہ (وزیر اعظم) نے معزول کر کے قادر باللہ کو تخت پر بٹھایا۔ قادر باللہ نے معتزلیوں کے خلاف کئی ایک کتابیں لکھیں۔ اس کے عہد میں سامانیوں (۸۷۴ - ۹۹۹) کا دورِ حکومت ختم ہوا اور اس کی جگہ غزنویوں نے لی۔ جب محمود نے خراسان کو فتح کیا تو خلیفہ کی طرف سے اُسے امین الملت کا خطاب دیا گیا۔ قادر باللہ ہی کے عہد حکومت (۹۹۱ - ۱۰۳۱ء) میں سلجوقیوں نے خراسان میں اقتدار حاصل کیا۔ قادر باللہ کی وفات پر قائم بامر اللہ تخت نشین ہوا۔ طغرل بیگ سلجوقی کی امداد سے وہ بغداد کے تخت پر بیٹھا رہا۔ قائم کی موت (۱۰۷۵) کے بعد مقتدی کے عہد میں حنبلیوں اور حنفیوں میں خونریز لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مقتدی کی موت (۱۰۹۴) کے بعد مستظہر کے عہد میں صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ

شروع ہوا جو کم و بیش دو سو سال تک جاری رہی۔ مسترشد (۱۱۱۸-۱۱۳۵) کا عہدِ حکومت سلطان سنجر کے کارناموں کے باعث مشہور ہے۔ المکتفی لامر اللہ کے ایامِ حکومت میں اتابکوں نے جنگی کارناموں کی وجہ سے بہت بڑا نام پایا۔ ۱۱۶۰ء میں مستنجد اپنے باپ کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ دس سال بعد مستضیٔ بغداد کے تخت پر دکھائی دیتا ہے۔ صلاح الدین ایوبی اسی حکمران کا ہمعصر تھا۔ اسی کے عہدِ حکومت میں سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس (یروشلم) پر قبضہ کیا جس سے تیسری صلیبی جنگ کا آغاز ہوا۔ مستضیٔ کی موت کے بعد اس کا بیٹا ناصر (۱۱۸۰-۱۲۲۵) تخت نشین ہوا۔ اس کا طویل عہدِ حکومت پر امن تھا۔ اس نے بہت بڑی فوج جمع کر لی تھی۔ اس کے بعد مستنصر (۱۲۲۶-۱۲۴۲) تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنی مملکت کو تاتاریوں سے بچانے کے لیے ایک بہت بڑی فوج کو منظم کیا۔ اس کی علم دوستی کا ثبوت وہ کالج ہے جو اس نے دجلہ کے کناروں پر بنایا تھا۔ مستنصر کے بعد اس کا بیٹا مستعصم (۱۲۴۲-۱۲۵۸) عیش و عشرت کی زندگی میں مصروف ہو گیا۔ خارجی اور داخلی شورشوں نے ہر طرف بدامنی پیدا کر دی۔ حنبلیوں اور حنفیوں نے ایک دوسرے سے لڑنا شروع کر دیا۔ سنی اور شیعہ ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔ سنیوں اور شیعوں میں ایک شدید فساد ہوا۔ مستعصم نے شیعوں پر سختی کی کیونکہ وہ سنیوں پر سختی کر چکے تھے۔ مستعصم کے اس اقدام نے اس کے شیعہ وزیر ابن علقمی کو اس حد تک برہم کر دیا کہ اس نے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ اس وقت منگو خان کا بھائی ہلاکو خان ایران کا گورنر تھا۔ تاتاریوں کی ایک بہت بڑی فوج لے کر وہ بغداد کی طرف بڑھا۔ تاتاریوں نے بغداد کو تباہ و برباد کر دیا۔ بیس لاکھ کی آبادی میں سے سولہ لاکھ قتل کر دیے گئے۔ ان مقتولوں میں مستعصم بھی تھا۔ تاتاریوں کے ہاتھوں بڑے بڑے شہر ویرانوں میں بدل گئے۔ بڑی بڑی عمارتیں اینٹوں اور پتھروں کا ڈھیر بن گئیں۔ عربوں، ایرانیوں اور سلجوقیوں کے علمی ذخیرے برباد ہو گئے۔

ٹواں باب

آلِ سلجوق

طغرل سلجوقی ترکوں کی آمد سے بغداد کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔
جب سلجوقیوں نے گیارھویں صدی میں اپنا تاریخی مقام حاصل کیا تو اس وقت بغداد کی
خلافت اپنا سیاسی اقتدار کھو چکی تھی۔ سلطنت کے وسیع اور عریض حصوں میں مختلف
خاندانوں کی کئی ایک آزاد ریاستیں قائم ہو چکی تھیں۔ ہر حکمران خاندان دوسرے حکمران خاندانوں
کو مٹانے کی کوشش میں رہتا تھا۔ ہر طرف سیاسی اور فوجی انارکی پھیلی ہوئی تھی۔ اسی
انارکی میں کرغیز کے میدانوں سے سلجوق اپنے قبیلہ (اوغوز) کو لے کر بخارا پہنچا۔ جہاں
ترکوں کی اس جماعت نے اسلام قبول کر لیا۔ ۱۰۳۷ء میں سلجوق کے پوتے طغرل نے
غزنویوں سے مرو اور نیشاپور چھین لیا۔ طغرل نے بہت جلد بلخ، جرجان، طبرستان،
خوارزم، ہمدان اور اصفہان پر قبضہ کر لیا۔ سلجوقی سورج کے سامنے آل بویہ کا چراغ نہ جل
سکا۔ ۱۸ دسمبر ۱۰۵۵ء میں طغرل اپنے ترکمانوں سمیت بغداد کے دروازوں تک پہنچ گیا۔
بغداد کا گورنر بھاگ نکلا۔ خلیفہ قائم (۱۰۳۱-۱۰۷۵) نے طغرل کو اپنا ناجی سمجھ کر اس کا خیر مقدم
کیا۔ بغداد کی خلافت اب طغرل کی سرپرستی میں آگئی۔ مشرق کے مسلم ممالک پر سلجوقیوں کا
اقتدار ۵۰ سال تک رہا۔ سلجوقیوں کے تازہ خون نے مسلم مملکت کو تقویت بخشی۔ ان
ترکمانوں کا جو کل تک اسلام کے دشمن تھے مسلمانوں کے لیے سربکف ہو جانا اسلام کی تاریخ
کا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ تیرھویں صدی میں تاتاریوں اور چودھویں صدی میں عثمانیوں

نے بھی سلجوقی روایات کو دہرایا۔ سلطان طغرل ایک بہادر سپاہی اور نیک انسان تھا۔
اس علم دوست ترکمان کی سادگی کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ سلطان طغرل جس
شہر کو فتح کرتا وہاں اپنی فتح کی یادگار میں ایک مسجد اور ایک کالج قائم کرتا۔

الپ ارسلان

طغرل کی موت (۱۰۳۷-۱۰۶۳) کے بعد اس کا بھتیجا الپ ارسلان خلافت بغداد کا نگران مقرر ہوا۔ الپ ارسلان (۱۰۶۳-۷۲)
کے عہد کے شروع میں قسطنطنیہ نے دو لاکھ سپاہیوں پر مشتمل ایک فوج بغداد کو تباہ کرنے
کے لیے بھیجی۔ بازنطینی فوج کی یلغار کی اطلاع پاکر عرب فوج نے پیچھے ہٹ کر ملازجرد میں
ڈیرے ڈال دیئے۔ اسی اثنا میں الپ ارسلان وہاں پہنچ گیا۔ الپ ارسلان کے ترکمانوں
نے بازنطینی رومی فوج کو شکست دے کر بازنطین کے شہنشاہ کو گرفتار کر لیا۔ شہنشاہ
الپ ارسلان کے خیمہ میں پہنچایا گیا جہاں اس سے مناسب برتاؤ کیا گیا۔ الپ ارسلان کی
اس کامیابی نے ایشیائے کوچک (اناطولیہ) میں سے بازنطینی اقتدار کو ہمیشہ کے لیے ختم
کر دیا۔ الپ ارسلان کے ایک بھائی نے اناطولیہ میں شاہان روم کا ایک سلسلہ قائم
کیا اس نئی سلطنت کی راجدھانی ازنیق تھی۔ سلجوقیوں نے اناطولیہ کو ترکیہ بنانے کا عمل شروع
کر دیا۔ صلیبی لڑائیوں کے شروع ہونے سے پہلے روم کے سلجوقیوں نے ازنیق کی جگہ قونیہ
کو اپنی راجدھانی بنایا۔

ملک شاہ

طغرل اور الپ ارسلان اپنے ایک فوجی ریزیڈنٹ کی وساطت سے اپنے اختیارات منواتے تھے۔ طغرل مرو میں رہا اور الپ ارسلان
نے اصفہان کو اپنا مرکزی شہر بنایا۔ ملک شاہ (۱۰۷۲-۱۰۹۲) کے عہد میں سلجوقی
ستارہ اپنی انتہائی بلندیوں پر تھا۔ اس کی سلطنت کاشغر سے بیت المقدس (یروشلم)
تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے سڑکیں اور مسجدیں بنوائیں۔ ہر بڑے شہر میں ایک کالج
قائم کیا۔ اس نے اپنی سلطنت میں نہروں اور سڑکوں کا جال بچھا دیا۔ ترکستان کی

سرحدوں سے شام کے اندرونی شہروں تک ہر شخص نہایت آسانی کے ساتھ سفر کر سکتا تھا۔ اس زمانہ میں بغداد کو صاف ستھرا رکھنے کے لیے جو اقدامات کیے گئے، ان کا تعلق سلجوقی سلطان ہی سے تھا۔

الپ ارسلان اور ملک شاہ کے ایام اقتدار میں نظم ونسق کی باگ ڈور مشہور ومعروف ایرانی وزیر نظام الملک کے ہاتھ میں تھی۔ نظام الملک کی تجویز پر ملک شاہ نے ۱۰۷۴ء میں نیشاپور کی نئی رصدگاہ میں عمر خیام کی صدارت میں ہیئت کے ماہروں کی ایک کانفرنس بلائی تاکہ ایرانی کیلنڈر میں اصلاح کی جاتے۔ اس کانفرنس کا نتیجہ جلالی کیلنڈر کی صورت میں ظاہر ہوا۔ نظام الملک نے آئین حکمرانی پر "سیاست نامہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ناصر خسرو اور عمر خیام بھی نظام الملک کے ہمعصر تھے۔ نظام الملک نے بغداد میں نظامیہ یونیورسٹی قائم کی۔ علامہ غزالی اسی یونیورسٹی کے ایک شعبہ کے صدر تھے۔ یحییٰ برمکی کے بعد نظام الملک کا شمار ایشیا کے بہترین وزیروں اور ناظموں میں ہوتا ہے۔ ملک شاہ کی دور دراز تک پھیلی ہوئی سلطنت کے مختلف صوبوں کا اس نے بارہ مرتبہ دورہ کیا۔ سوداگروں اور سیاحوں کی سہولت کے لیے اس نے مسافر خانے اور آرام گھر بنوائے۔

ملک شاہ کے عہد حکومت کے آخری دنوں میں مازندران کے کوہستانوں سے جہاں ایک مرتبہ بابک اُٹھا تھا۔ ایک نئی تحریک پیدا ہوئی۔ اس تحریک کو چلانے والا حسن بن صباح تھا۔ حسن بن صباح کا تعلق اسمٰعیلی فرقہ سے تھا۔ اس نے بہت جلد "الموت" کے پہاڑی قلعہ پر قبضہ کرکے فدائیوں کی ایک ایسی جماعت پیدا کی جو اپنے مقصد کے لیے بلا خوف خنجر اور زہر کا استعمال کرتی۔ اس جماعت کا سردار حسن بن صباح سیدنا (صلیبی سپاہیوں کا سڈنی) کہلاتا تھا۔ ملک شاہ نے اس جماعت پر قابو پانے کے لیے دو مرتبہ فوج بھیجی لیکن حملہ آور دونوں مرتبہ ناکام رہے۔ ۱۰۹۱ء میں حسن بن صباح کے ایک فدائی نے نظام الملک کو قتل کر دیا۔

ملک شاہ کی موت کے ساتھ ہی سلجوقی سلطنت کا آفتاب غروب ہونے لگا۔ ملک شاہ کے بعد خلیفہ نے اس کے نابالغ بیٹے محمود کو سلطان کا خطاب دیا۔ لیکن بہت جلد اس کے بڑے بھائی بے یارق نے اقتدار اعلیٰ پر قبضہ کر لیا۔ اب ملک شاہ کا تیسرا بیٹا محمد بھی میدان میں اتر آیا۔ عراق اور خراسان کے لیے دونوں بھائیوں میں لڑائی ہو رہی تھی، حسن بن صباح کے فدائیوں کا خنجر اور زہر اپنا کام کر رہا تھا۔ شمالی ایران، عراق اور شام کے بہت قلعوں پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ جاگیرداری نے سلجوقیوں کی سلطنت کو ختم کر دیا۔ جب تک نظام الملک اور ملک شاہ زندہ رہے۔ ایشیائے کوچک، شام، عراق اور فلسطین کے جاگیردار (زیادہ تر سلجوقی شہزادے) مطیع اور فرمانبردار رہے لیکن ان دونوں کے اٹھ جانے کے بعد ان جاگیرداروں کی باہمی لڑائیوں نے سلجوقیوں کے اقتدار کو آہستہ آہستہ ختم کر دیا۔ ایک وسیع سلطنت کے کھنڈروں پر کئی ایک چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں قائم ہو گئیں۔ اس پر بھی خلافت پر سلجوقیوں کا اثر ۱۱۹۴ء تک رہا۔

ملک شاہ کی موت کے بعد صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن سلجوق اور خلیفہ نے ان لڑائیوں میں کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔ یہاں تک کہ ۱۰۹۹ء میں بیت المقدس پر صلیبیوں کے قابض ہو جانے کے بعد شامیوں کے ایک وفد نے بغداد میں پہنچ کر لوگوں کو حالات سے آگاہ کیا۔ لیکن شام کو کسی قسم کی امداد نہ پہنچائی گئی۔ نو سال بعد طرابلس کے محصور شہر نے بغداد سے اپیل کی لیکن بے سود۔ امیر المومنین اور اس کا سلجوقی سلطان الگ تھلگ بیٹھے رہے۔ مکتفی کے عہدِ حکومت میں شام کے اتابک خاندان کے بانی زنگی نے بغداد سے پھر امداد مانگی۔ اس مرتبہ بغداد نے چند ہزار سپاہی بھیجے۔ اسی اثنا میں صلاح الدین ایوبی یورپ کے کئی بادشاہوں کی متحدہ فوج کو شکست دے رہا تھا۔

نواں باب

صلیبی جنگیں

ساتویں صدی میں جب بازنطین اور ایران میں لڑائی ہو رہی تھی تو مغربی یورپ کی معاشی، مجلسی اور سیاسی حالت بہت گری ہوئی تھی۔ ایک مقام پر اگر کوئی پادری حکمران تھا تو دوسرے مقام پر کوئی نواب قبضہ جمائے بیٹھا تھا۔ جتنے گاؤں اتنی بادشاہیاں۔ ہر قصبہ راجدھانی تھا۔ عوام کی حالت بہت خراب تھی۔ یہودیوں کو کسی ملک میں بھی پناہ نہیں ملتی تھی۔ ان کی زندگی مغربی یورپ کے کسی گوشے میں بھی محفوظ نہیں تھی۔ وہ ہر جگہ ظلم وستم کا شکار تھے۔ اٹلی، برطانیہ اور فرانس کی طرح ہسپانیہ میں قرطاجنیوں اور رومیوں کی جنگ عیسائیوں اور یہودیوں کی باہمی جنگ وجدل کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب عربوں نے شمالی افریقہ پر قبضہ کر لیا تو یہودیوں نے ہسپانیہ کی تسخیر میں ان کی بہت زیادہ امداد کی۔ چھٹی ساتویں اور آٹھویں صدی کا یورپ جاگیرداروں کا یورپ تھا۔ ہر شخص کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو کسی نہ کسی طاقتور جاگیردار کے ساتھ وابستہ کرے۔ سارے یورپ میں چھوٹی چھوٹی جاگیروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ اسی قسم کی ایک جاگیر موجودہ بلجیم میں فرانکوں نے قائم کی تھی جس نے بڑھتے بڑھتے ایک مملکت کی صورت اختیار کر لی۔ رومی سلطنت کے تباہ و برباد ہو جانے کے بعد فرانکوں کی یہ ریاست غالباً سب سے پہلی تھی۔ اسی ریاست سے موجودہ یورپ کی دو بڑی ریاستیں جرمنی اور فرانس پیدا ہوئیں۔ اس مملکت کے حکمرانوں کے اختیارات بہت جلد امیر الیوانوں کے ہاتھ میں آگئے۔ آٹھویں صدی کے شروع میں فرانکی مملکت

میں چارلس مارتل امیرالایوان تھا۔ اسی چارلس مارتل نے لوائر کے کناروں پر عبدالرحمٰن کو شکست دی تھی۔ چارلس مارتل کے پیپن نے (جو امیر الایوان تھا) فرانکی مملکت پر قبضہ جمانے کے لیے پوپ سے اس امر کا فتوے طلب کیا کہ بادشاہ وہ ہے جس کے اختیار میں سب کچھ ہے یا وہ جس کے سر پر صرف تاج ہے۔ پوپ نے (۷۵۱) پیپن کے حق میں فیصلہ کیا۔ اس نے فرانکوں اور جرمنوں کو متحد کیا۔ پیپن کے بیٹے شارل مین نے اس اتحاد کو قائم رکھا لیکن اس کے پوتے لوئی (۸۴۰) کے عہد میں فرانک اور جرمن پھر الگ الگ ہو گئے۔ یہ علیحدگی آگے چل کر نوع انسانی کیلئے کتنی گراں ثابت ہوئی ــــ زبان اور روایات کے اختلاف نے ایک نسل کو دو قوموں میں بانٹ دیا۔

شارل مین

(چارلس اعظم) نے عیسائیت کی اشاعت کے لیے تلوار کا بے دریغ استعمال کیا۔ اس کی تلوار سے بچنے کے لیے لے دینوں نے برطانیہ پر حملے کر کے وہاں کے عیسائیوں کو قتل کیا اور ان کی عبادت گاہوں کو آگ لگا دی گئی۔ شارل مین نے ان کے بھائی بندوں کے ساتھ یورپ میں جو کچھ کیا انہوں نے وہی کچھ برطانیہ میں شارل مین کے ہم مذہبوں کے ساتھ کیا "قتل بقتل برابر"۔ شارل مین نے یورپ میں روم کے سیزروں کی روایات کو زندہ کیا۔ یورپ نے آنے والی صدیوں میں بہت سے سیزر اور کئی ایک شہنشاہ پیدا کیے۔ پوپ کے تعاون سے شارل مین نویں صدی کے شروع ہوتے ہی "مقدس رومی سلطنت" کا شہنشاہ بن بیٹھا۔ اس طرح وہ رومی سلطنت جو ۴۷۶ء میں ہٹ چکی تھی۔ تین سو چوبیس سال بعد پھر سے زندہ ہوئی۔ اس نئی قائم شدہ سلطنت کی جسمانی قوت ایلپس کے شمال میں تھی لیکن اس کا مرکزی تصور روم میں تھا۔ ابتدا ہی سے یہ سلطنت غیر متحد اور بٹی ہوئی تھی۔ شارل مین اگرچہ دنیا کے کئی ایک حکمرانوں کی طرح لکھ پڑھ نہیں سکتا تھا لیکن اس کی

دستی اور عالم پروری کی بہت سی داستانیں مشہور ہیں ۔اس نے اپنے دربار کو عالموں فاضلوں کا مرکز بنانے کے لیے بہت کوشش کی۔اس نے تعمیرات کی حوصلہ افزائی اسے لاایپل (موجودہ اخن) ورمسز اور کوسوں میں اس نے کئی ایک گرجے بنوائے۔
دوسری عالمگیر جنگ کے دوران یہ مسمار ہو گئے۔اور اتحادی فوجوں نے اسے ایپل کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور بھی کئی عمارتیں مسمار کر دیں۔ شارل مین نے ں کو لاطینی پڑھنے کی طرف مائل کیا۔اس نے پرانے جرمن گیتوں اور افسانوں کا ایک مہ تیار کیا تھا، جسے اس کے بیٹے لوئی (۸۱۸ - ۸۴۰) نے اس کے ملحدانہ عناصر کی بنا ضائع کرادیا۔شارل مین نے ہسپانیہ کے عرب حکمرانوں کو فرانس میں بڑھنے سے روکے ا۔یہی وجہ ہے کہ شارل مین اور ہارون الرشید میں دوستانہ تعلقات تھے ۔
رون الرشید نے تحائف کے طور پر شارل مین کو ایک قرمزی خیمہ، ایک آبی کلاک ر ایک ہاتھی بھیجا تھا۔
شارل مین کی بنائی ہوئی سلطنت اس کے جانشینوں کے عہد میں بہت کمزور ہو ئی ۔یہاں تک کہ جرمن اور فرانسیسی الگ الگ ہوتے چلے گئے۔نویں اور دسویں صدی کے یورپ کی تاریخ بدنظمی اور بے چینی کے واقعات کا ایک تسلسل ہے ۹۶۲ء یں مغربی یورپ پھر ایک شہنشاہ کو پیدا کرتا ہے۔ پوپ نے آٹو (جرمن) کو شہنشاہیت کا تاج پہنایا۔آٹو دوم (۹۷۳ - ۹۸۳) اور آٹو سوم (۹۸۳ - ۱۰۰۲) آٹو اعظم کے جانشین ہوئے۔ ازمنہ وسطی کے یورپ میں مقدس رومی سلطنت کے تین خاندانوں کی حکمرانی کا سلسلہ ۱۲۵۰ء تک جاری رہا۔ تیئس سال بعد روڈلف اوّل کی تاجپوشی سے ہیبس برگ خاندان کی حکومت شروع ہوئی تو ۱۹۱۸ء تک جاری رہی۔
جس زمانہ میں ترکی قبائل بحیرۂ اسود کے شمال سے یورپ میں داخل ہو رہے تھے۔تقریباً اسی زمانہ میں ترکوں کے چند قبائل جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا جنوب

کی راہ سے یورپ میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ الپ ارسلان نے ۱۰۷۱ء میں ملازجرد میں بازنطینی فوج کو ایک تباہ کن شکست دی۔ اس شکست نے مسیحی یورپ کو پریشان کر دیا۔ سلجوقی، قسطنطنیہ کی دیواروں تک جا پہنچے۔ بازنطینی شہنشاہ نے یورپ سے امداد کی اپیل کی۔ پوپ کو اس اپیل میں مسیحی دنیا پر اپنا اقتدار جمانے کی ایک جھلک دکھائی دی۔ پوپ اربن دوم نے پہلی کونسل کے بعد نومبر ۱۰۹۵ء میں کلرمون میں دوسری کونسل کی۔ اس کونسل میں پوپ نے اعلان کر دیا کہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے جو عیسائی صلیبی فوج میں بھرتی ہوگا اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور جو عیسائی لڑتا ہوا مارا جائے گا وہ سیدھا بہشت میں داخل ہوگا۔ صلیبی فوج کے پہلے جتھے کو بلغاریہ کے عیسائیوں نے قتل کر دیا۔ راہب پیٹر چالیس ہزار کا دوسرا جتھہ لے کر مغربی ایشیا کی طرف روانہ ہوا۔ ان صلیبی سورماؤں نے ہنگری اور بلغاریہ کو ویران کر دیا۔ بازنطینی شہنشاہ نے اس ہجوم کو قسطنطنیہ میں داخل نہیں ہونے دیا۔ ایشیا میں داخل ہوتے ہی ان صلیبیوں نے اتنے مظالم توڑے کہ، "قدرت بھی کانپ اٹھی"۔ انھوں نے دودھ پیتے بچوں کو کاٹ کر ان کے ٹکڑوں کو ہوا میں پھینک دیا۔ وہ ازنیق (نیس) تک پہنچ گئے۔ سلطان کی فوج نے ان سب کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اس جتھے کے سردار ریجی نلڈ نے اپنے چند ساتھیوں سمیت اسلام قبول کر لیا۔ تیسرا جتھہ موجودہ ہنگری کے علاقوں میں داخل ہوتے ہی شرمناک افعال کا مرتکب ہوا۔ اہل ہنگری نے ان کے ٹکڑے اڑا دیے۔ چوتھے جتھے میں انگلستان، فرانس، فلینڈرز اور لورائین کے لوگ شریک تھے۔ ترک چونکہ بہت دور تھے۔ اس لیے ان سورماؤں نے رائین اور موزل کے کناروں پر آباد بستیوں میں رہنے والے یہودیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس جتھے کو بھی ہنگری کی ایک فوج نے تباہ و برباد کر دیا۔ اگلے سال

یورپ کے شہزادوں نے ایک صلیبی فوج مرتب کی جس کا سردار گاڈفری لوئی لونی تھا قسطنطنیہ تک پہنچنے کے لیے اس فوج نے راہ میں وہی کچھ کیا جو اس سے پہلے جتھے کر چکے تھے۔ مئی ۱۰۹۷ء میں سات لاکھ سپاہیوں کا یہ ہجوم نیس کے میدان میں تھا۔ سلطان کے لیے نیس کی حفاظت کرنا ناممکن ہو گئی۔ چنانچہ اس نے بازنطینی شہنشاہ کی درخواست پر نیس کو اس کے حوالے کر دیا۔ اس طرح شہنشاہ نے نیس کو صلیبیوں کی غارت گری سے بچا لیا۔ لوٹ مار مچاتے اور قتل عام کرتے ہوئے صلیبی انطاکیہ کی طرف بڑھے۔ انطاکیہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ نو مہینوں کے بعد جب صلیبی فوج انطاکیہ میں داخل ہوئی تو صلیبی تلوار نے نہ پیری کا لحاظ کیا اور نہ حسن و جمال پر ترس کھایا۔ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں تک کو قتل کر دیا جاتا۔ جب قاتلوں کی آنکھوں کے سامنے کوئی مسجد آجاتی تو ان کی دیوانگی اور وحشت اور تیز ہو جاتی۔ انطاکیہ سے وہ شام کے ایک خوشحال شہر کی طرف بڑھے۔ اس شہر کو کھنڈروں کا ڈھیر بنانے کے بعد صلیبی سپاہیوں نے یروشلم کا رُخ کیا۔ یروشلم (بیت المقدس) پر قبضہ کرنے کے بعد قتل عام شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک عینی شاہد کے الفاظ میں مسجد عمرؓ کے باہر گھٹنوں تک گہرا خون کا دریا بہنے لگ گیا۔ یہودیوں کے معبد جلا دیے گئے۔ گاڈفری کو یروشلم کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ فلسطین اور شام کے ایک حصّہ پر قبضہ کرنے کے بعد صلیبیوں نے اپنی نئی فتح کی ہوئی مملکت کو جاگیروں میں بانٹ دیا۔

صلیبی سپاہیوں کے ہاتھ سے بچ کر نکل جانے والے چند عربوں نے بغداد کی راہ لی۔ انہوں نے جامع مسجد میں جا کر صلیبیوں کے مظالم بیان کیے، لیکن اس وقت سلجوقی شہزادوں کی خانہ جنگی شام اور فلسطین کے عربوں کی امداد میں حائل تھی۔ مصر کی فاطمی خلافت کو اپنے جھگڑوں سے اتنی فرصت ہی نہیں تھی کہ وہ کچھ کام آسکتی آہستہ آہستہ صلیبیوں کی مملکت بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ عماد الدین زنگی (اتابک) اسے

صلیبیوں کی پیش قدمی کو روکا۔ اتابک زنگی نے انہیں کئی مقامات پر شکست دی بعلبق پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے اس شہر کو صلاح الدین کے باپ نجم الدین کے زیر کمان کر دیا۔ ۱۱۴۴ء میں اتابک زنگی نے عدلیسہ پر قبضہ کر لیا۔ اتابک کی کامیابیوں کا سلسلہ جاری تھا کہ ۱۱۴۶ء میں اس کے چند غلاموں نے اسے قتل کر دیا۔ اتابک زنگی کی مملکت عراق اور شام کے بعض حصوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ جس کی راجدھانی موصل تھی اس کی موت کے بعد اس کے ایک بیٹے نور الدین محمود نے جسے حلب کی ریاست ملی تھی، صلیبی لڑائیوں میں بڑا نام پایا۔ نور الدین (یورپی مورخوں کا نورادی نس) جونہی حلب کے تخت پر بیٹھا، عدلیسہ میں بغاوت ہوگئی۔ نور الدین نے عدلیسہ پر بڑی سختی سے حملہ کیا۔ عدلیسہ پر مسلمانوں کے دوبارہ قابض ہو جانے سے دوسری صلیبی جنگ (کروسیڈ) شروع ہوگئی۔

۱۱۴۷ء میں جرمنی کے شہنشاہ کونارڈ اور فرانس کے بادشاہ لوئی ہفتم نے دوسری صلیبی جنگ کو شروع کیا۔ نو لاکھ صلیبیوں کی فوج شام اور فلسطین کی طرف بڑھی۔ سلجوقیوں نے اس فوج کو شکست دی۔ لوئی نے انطاکیہ کا محاصرہ کر رکھا تھا لیکن سیف الدین غازی اور نور الدین نے لوئی کی فوج کو شکست دی۔ اس شکست کے بعد کونارڈ اور لوئی یورپ چلے گئے۔ دوسری صلیبی جنگ ختم ہو نی ہے۔

اب نور الدین نے صلیبیوں کو شکستیں دینا شروع کیں۔ اس نے انہیں انطاکیہ کے قریب ایک تباہ کن شکست دی، لیکن ان کی فوجی قوت ابھی تک نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ دمشق پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے نور الدین نے آگے بڑھ کر دمشق پر قبضہ کر لیا۔ خلافت کی طرف سے اسے الملک العادل کا خطاب ملا۔ ۱۱۶۷ء میں نور الدین نے مصر کی اس مہم کو شروع کیا جس کے نتائج عربوں اور فرنگیوں کے لیے یکساں اہم تھے۔ شیرکوہ نے مصریوں اور فرنگیوں کی متحدہ فوج کو شکست دیکر

اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ معاہدہ کی رُو سے شیر کوہ کو واپس جانا پڑا۔ اس کی واپسی کے بعد صلیبیوں نے قاہرہ میں ایسی حرکات کیں کہ فاطمی خلیفہ نے نورالدین سے امداد کی اپیل کی۔ جب وُہ قاہرہ کے مضافات میں ہی تھا۔ تو صلیبی قاہرہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ فاطمی خلیفہ نے شیر کوہ کو اپنا وزیراعظم اور سپہ سالار مقرر کیا۔ شیر کوہ کی موت کے بعد اس کا بھتیجا صلاح الدین (صلیبیوں کا سلاڈن) وزیراعظم اور سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ فاطمی خلیفہ کی موت کے بعد صلاح الدین نے مصر کو ایک مرتبہ پھر عباسی خلافت کے زیر اثر کر دیا۔ وُہ نورالدین کی زندگی میں مصر میں اس کی نیابت کرتا رہا۔ لیکن اس کی موت کے بعد وُہ مصر کا آزاد حکمران بن گیا۔ بہت تھوڑی مدت میں اس نے نوبیہ، حجاز اور یمن پر قبضہ کر لیا۔

نورالدین کی موت کے بعد دمشق میں سازشوں کا جال بچھ گیا تھا۔ صلیبیوں نے موقعہ پاکر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ صلاح الدین سات سو سپاہیوں کے ساتھ دمشق پر قابض ہو گیا۔ اب اس نے نورالدین کے نوجوان بیٹے کو یہ یقین دلانا چاہا کہ وہ صرف دمشق کے بچاؤ کے لیے آیا ہے لیکن درباری سازشیوں نے صلاح الدین اور نوجوان اتابک کو ملاقات کا موقعہ نہ دیا۔ اتابک نے صلیبیوں کو اپنی امداد کے لیے طلب کیا۔ صلاح الدین نے اتابک کو شکست دی۔

۱۱۸۲ء میں سلطان صلاح الدین مغربی ایشیا کے تمام مسلم حکمرانوں کا سردار بن گیا۔ فلسطین کے فرنگی حکمران اور صلاح الدین میں ایک معاہدہ ہو گیا۔ یروشلم کی معاہدہ شکنی سلطان کی فوجوں کو حرکت میں لے آئی۔ سلطان نے صلیبیوں کو کئی مقامات پر شکستیں دیں۔ فلسطین کے کئی شہروں نے اس پر اپنے دروازے کھول دیئے۔

اب سلطان نے یروشلم کا رُخ کیا جہاں ساٹھ ہزار صلیبی سپاہی موجود تھے۔ بیت المقدس فتح کرنے کے بعد سلطان نے شامی اور یونانی عیسائیوں، فرنگیوں اور لاطینیوں سے نہایت رواداری کا سلوک کیا۔ یروشلم پر صلاح الدین کے قابض ہو جانے سے ساری نصرانی دنیا میں ہلچل مچ گئی۔ فرانس۔ جرمنی اور انگلستان

کے حکمران فلپ آگسٹس، فریڈرک باربروسہ اور رچرڈ اپنی اپنی فوج لے کر فلسطین کی طرف بڑھے۔ تیسری صلیبی جنگ میں خونریزی کم لیکن شجاعت، مردانگی اور رواداری زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ صلیبیوں نے عکہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا کہ صلاح الدین وہاں پہنچ گیا نصرانیوں کو سمندر کی راہ سے اور مسلمانوں کو خشکی کی راہ سے کمک پہنچ رہی تھی۔ یورپ کے تین حکمرانوں کی متحدہ فوج مشرق کے ایک سلطان کو شکست نہ دے سکی۔ صلیبی سپاہی یروشلم پر قابض نہ ہو سکے۔ تیسری صلیبی جنگ (۱۱۸۹) عشق اور بہادری کے افسانوں سے بھری پڑی ہے۔ چوتھی صلیبی جنگ (۱۲۰۲) کے سورمے عربوں کی جگہ بازنطین پر لوٹ پڑے۔ پوپ کی بھی یہی خواہش تھی۔ قسطنطنیہ پر ۱۲۶۱ء تک لاطینی شہنشاہوں کا قبضہ رہا۔ ۱۲۱۲ء میں فرانس کے لڑکوں کی فوج "مارسیلز" میں جمع ہوئی تاکہ وہ بھی فلسطین میں پہنچ کر عربوں سے لڑے۔ ان لڑکوں کو مصر پہنچا کر غلاموں کی طرح فروخت کر دیا گیا۔ بچوں کی یہ صلیبی جنگ بردہ فروشی میں بدل گئی۔ پانچویں صلیبی جنگ مصر پر قبضہ کرنے کے لیے کی گئی لیکن صلیبیوں کو اس میں ناکامی ہوئی۔ چھٹی صلیبی جنگ (۱۲۲۸) کی رہنمائی فریڈرک دوم نے اس لیے کی کہ پوپ اس کے خلاف مذہبی جنگ جاری کرانے کی دھمکی دے رہا تھا۔ فریڈرک نے سلطان سے ملاقات کی۔ اسلام، عیسائیت اور تاتاریوں کی یلغار کے متعلق بات چیت ہوتی رہی۔ فریڈرک عربی میں بلاتکلف بات چیت کر سکتا تھا۔ سلطان نے فریڈرک کو یروشلم کی مملکت کا تھوڑا سا حصہ دے دیا۔ صلیبیوں نے سلطان مصر کے خلاف ایک سازش کی سلطان نے ۱۲۴۴ء میں یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ ساتویں صلیبی جنگ کی رہنمائی فرانس کے لوئی نہم نے کی۔ جب وہ مصر میں داخل ہوا تو سلطان کی فوج نے اسے گرفتار کر لیا۔ یروشلم پر مسلمانوں کا قبضہ ۱۹۱۸ء تک رہا۔ اسی سال ایک نئی قسم کی صلیبی جنگ میں یروشلم مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ صلیبی جنگوں کا طویل سلسلہ

ی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ لاطینی کلیسا نے بازنطینی کلیسا کے اقتدار
مٹانے کے لیے ایک ایسا حربہ استعمال کیا۔ جس نے یورپ کے عوام کو ابتدا میں دیوانہ
ا دیا۔ یورپ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ عوام کو ایک تصور ملا۔ اس تصور کے علاوہ مشرق کی
ولت اور بازنطینی دوشیزاؤں کے حسن نے بھی اپنا کام کیا۔ جب پاپائے روم نے
روں کے خلاف صلیبی جنگ جاری کرنے پر سارا زور صرف کیا تو اس وقت یورپی
سائٹی کے بہت سے عناصر اس کے موافق تھے۔ گیارھویں صدی کی آخری دہائی میں
اور قحط نے لوگوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ ان پریشان حال لوگوں نے وبا اور قحط
ں سسک کر مرنے سے تلوار سے گردن کٹوانا بہتر خیال کیا۔ یہی وجہ ہے کہ
پہلی صلیبی جنگ عوام کی جنگ تھی۔ ان عوام کی جو لیڈر کے بغیر تھے۔ جن کی کوئی تنظیم
ہیں تھی۔ ابتدائی صلیبیوں کا بھی حشر ہوا جو ایک بے قاعدہ جماعت کا ہو سکتا ہے۔ اسی
زمانہ میں نارمنوں نے اٹلی کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے تھے۔ پوپ نے انہیں مشرق کا راستہ
دکھایا۔ صلیبی جنگوں کے آغاز میں سارا یورپ پوپ کے سامنے سر جھکاتے ہوئے تھا۔
لیکن مشرق کی طرف بار بار سفر کرنے اور اپنے سے بہتر تہذیب سے متاثر ہونے کے
بعد تیرھویں صدی کی آخری چوتھائی کا یورپ پہلے سے کہیں زیادہ مہذب اور متشکک
ہو چکا تھا۔ تاریکی کے پردے میں لپٹا ہوا صلیبی ذہن روشن ہونے لگا۔ بازنطین
اور بغداد نے یورپ کو متاثر کیا۔ وینس اور جینوا صلیبی جنگوں کے سبب خوشحال
ہو گئے۔ آخری صلیبی جنگ کے آخری دن کو ہم نئے یورپ کا پہلا دن کہہ سکتے ہیں

دسواں باب

عباسی عہد میں علمی سرگرمیاں

تصنیف و تالیف

اموی عہد میں یونانی اور سریانی کتابوں کے عربی میں تراجم کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ لیکن عباسی عہد کی پہلی صدی میں ترجمے کا کام اس تیزی سے جاری کیا گیا کہ اس کے فوراً بعد عرب مصنفوں کا دور شروع ہو گیا۔ عباسی عہد میں ہسپانیہ میں بھی عربوں نے علوم و فنون میں بہت ترقی کی تھی۔ اسی عہد میں فارسی ادبیات نے کمال حاصل کیا۔ عباسی دور میں عربوں نے سائنس اور ادب کی دنیا کو بڑے بڑے نامور مفکر دیے۔ ان مفکروں کی کتابوں نے یورپ میں اس نئی علمی سرگرمی کو شروع کیا جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

فلسفہ

عربوں نے اشیا کی حقیقی ماہیت معلوم کرنے کے لیے فلسفہ کا مطالعہ شروع کیا۔ عرب فلسفیوں کا ذہن یونان کے فلسفہ سے بہت متاثر تھا۔ اس زمانہ میں انسانی تاریخ کے پاس علم کی مشعل اٹھانے والوں کے لیے فلسفہ یونان کے سوا اور کوئی ترکہ نہیں تھا۔ عربوں نے اس ترکہ کو بڑھا کر یورپ کو اس کا وارث بنا دیا۔ ایک صالح بیٹے کی طرح یورپ نے باپ کے ترکہ میں اتنا اضافہ کیا کہ لوگ باپ کو بھول گئے۔ بڑے باپ کا بیٹا ہونا یا بڑے بیٹے کا باپ ہونا اپنے آپ کو گمنام کرنا ہے۔ وہ

عرب حکیم جو آزادانہ طور سے اشیا کی ماہیت کی تلاش میں نکلے عربوں کی تاریخ میں فلسفی کہلاتے ہیں۔ وہ عرب حکیم جنہوں نے اسلامی عقائد کے ماتحت اشیا کی ماہیت کا مطالعہ کیا۔ وہ متکلمین کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ امام غزالی بہت بڑے متکلم تھے۔ عرب فلسفیوں میں کندی، فارابی اور ابن سینا بہت مشہور ہیں۔ ان میں کیسے پہلا عرب ہے۔ دوسرا ترک اور تیسرا ایرانی ہے۔ کندی پہلا عرب ہے جسے ارسطو کا شاگرد کہا جا سکتا ہے۔ اس نے نو افلاطونی انداز میں افلاطون اور ارسطو کو ملانے کی کوشش کی۔ اس کے نزدیک سائنس کی بنیاد نو فیثا غورثی ریاضیات پر ہے۔ کندی کی لکھی ہوئی کئی ایک کتابیں عربی میں تو مفقود ہیں، لیکن ان کے لاطینی تراجم اب تک موجود ہیں۔ فارابی دسویں صدی کا مشہور فلسفی ہے۔ اس کا فلسفہ افلاطونیت اور ارسطونیت کا (SYNCRETISM) ہے۔ فارابی نے افلاطون کی سیاست سے متاثر ہو کر سیاسۃ المدینہ (پولیٹیکل ایکانومی) لکھی جس میں وہ ایک شہری ریاست کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ فارابی نے فلسفہ کے علاوہ طبیعات، ریاضیات اور موسیقی پر بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ ابن سینا نے یونانی فلسفہ کا خلاصہ عام فہم انداز میں دنیائے عرب کے سامنے پیش کیا۔

الکندی اس، الفارابی اس، ایوی سینا! یہ کون لوگ ہیں؟ ناموں سے تو غیر عرب معلوم ہوتے ہیں! بے شک! یورپ نے کندی، فارابی اور ابن سینا کو یہ نام دے رکھے ہیں۔

مامون نے چونکہ معتزلی عقائد اختیار کر لیے تھے۔ اس لیے وہ ان عقائد کو اپنی مملکت میں رائج کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے زمانہ کے علما کو بغداد میں بلا کر ان کے سامنے اپنے عقائد کا اظہار کیا۔ چند ایک علماء نے مامون کے عقائد سے اختلاف کیا۔ امام احمد بن حنبل نے سب سے زیادہ اختلاف

رائے کا اظہار کیا۔ تاریخ طبری میں مامون کا وُہ فرمان درج ہے جس میں اس نے اعتزال سے انحراف کرنے والوں کے لیے سزا کا حکم دیا۔ اس طرح مامون کی وُہ تحریک، جو آزاد خیالی کے نام سے چلائی گئی تھی۔ آزادیٔ خیال کے کچلنے کا ایک حربہ بن گئی۔ اسلام کی تاریخ میں مامون نے پہلی مرتبہ احتساب کو داخل کیا۔ مامون کے دو جانشینوں کے عہد میں احتساب کی کارفرمائیاں جاری رہیں۔ یہاں تک کہ ۸۴۸ء میں متوکل نے اعتزال کا ساتھ چھوڑ دیا۔ نئے احتساب نے معتزلین کو اپنا نشانہ بنایا اگر اعتزال احتساب کے ہاتھ سے بچ نکلتا تو ایک مؤرخ کے الفاظ میں عربوں میں کئی ایک گیلیلو، کیپلر اور نیوٹن پیدا ہوتے ۔ دسویں صدی کے اختتام پر بصرہ میں ایک ایسی جماعت قائم ہوئی جس کے ارکان قاموسی قابلیت رکھتے تھے۔ اس جماعت کا نام اخوان الصفا تھا۔ اس کی ایک شاخ بغداد میں بھی تھی۔ ابوالعلامعرّی نے بھی اخوان الصفا کے ایک اجلاس میں شرکت کی تھی۔ ان قاموسیانِ عرب نے رسائل فلسفہ کے علاوہ دوسرے علوم پر باون رسائل لکھے۔ یہ رسائل ان تمام مروجہ علوم کے خلاصے تھے جن سے اس زمانہ کے پڑھے لکھے لوگوں کو واقف ہونا ضروری تھا۔ اخوان الصفا کے رسائل نے فلسفہ اور سائنسی علوم کی اشاعت میں بہت حصّہ لیا۔

عربوں میں ہیئت کے سائنسی مطالعہ کا آغاز سنسکرت کی کتاب سدھانتا (عربی: سند ہند) کے عربی ترجمہ سے شروع ہوًا۔ اس کتاب کا ترجمہ مامون کے عہد میں ہوًا تھا۔ یونانی کتابوں کے عربی تراجم نے بھی ہیئت کے مطالعہ میں عربوں کی رہنمائی کی۔ مامون، معتصم اور واثق کے عہد میں ہیئت کو بہت فروغ ہوًا۔ ابوالحسن نے ایک دُوربین کے ذریعہ سیاروں کی گردش کا مطالعہ کیا۔ ابراہیم پہلا عرب ہیئت دان تھا جس نے اسطرلاب تیار کیا۔ اس عہد کا ایک اور نامور ہیئت دان احمد غرفانی (الفراگانس) جس نے ۸۶۱ میں متوکل کے لیے فسطاط میں ایک (Nilometre)

تیار کروایا تھا۔ اس کی کتاب علم ہیئت کا ۱۱۳۵ء میں لاطینی میں ترجمہ کیا گیا۔ بغداد کے علاوہ شیراز، نیشاپور اور سمرقند میں بھی ایک رصدگاہ تھی جن کے نتائج سے بیسویں صدی کے ہیئت دانوں کو بہت کم اختلاف ہے۔ عربوں کا سب سے بڑا ہیئت دان البتانی ہے۔ غزنی میں البیرونی نے سلطان مسعود کے لیے قانون المسعودی فی الہیئۃ والنجوم لکھی۔ البیرونی بتاتا ہے کہ زمین اپنے محور کے گرد چکر کاٹتی ہے۔ سلجوقی سلاطین میں سے ملک شاہ نے ہیئت کے مطالعہ کی حوصلہ افزائی کی۔ نیشاپور میں اس نے ہیئت دانوں کی جو کانفرنس بلائی تھی۔ اس کی صدارت عمر خیام (رباعیات والا) نے کی تھی۔ خوارزمی ہیئت دان ہونے کے علاوہ بہت بڑا ریاضی دان تھا۔ خوارزمی نے سب سے پہلے حساب اور الجبرا پر کتابیں لکھیں۔ اس کی کتاب حساب الجبر والمقابلہ عربی میں ضائع ہو چکی ہے۔ لیکن اسی نام سے اس کا لاطینی ترجمہ اب تک محفوظ ہے۔ دسویں صدی تک یورپ کی تمام یونیورسٹیوں میں خوارزمی کی کتاب کا لاطینی ترجمہ ریاضیات کے نصاب میں شامل تھا۔ اسی کتاب نے یورپ کو الجبرا سے روشناس کرایا۔ خیام کے ہاتھوں الجبرا نے مزید ترقی کی۔

عربوں کا سب سے بڑا کیمیا دان (کیمسٹ) جابر بن حیان (یورپ کا گبر) ہے۔ برامکہ نے اس کے علم و فضل کی بہت قدر کی۔ جب اس علم دوست خاندان کو زوال آیا تو جابر پر بھی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ارسطو کی طرح جابر بھی دو لطیف عناصر کے وجود کا قائل تھا۔ اس کے خیال میں یہ عناصر زمین میں مقید ہو کر کسی قدر تبدیل ہو جاتے ہیں۔ خشک یا دخانی عنصر گندھک وغیرہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تر یا بخاری عنصر پارے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ دھاتوں کے متعلق اس کا یہ نظریہ تھا کہ وہ کبریتی اور سیمابی عناصر کے امتزاج سے پیدا

ہوتی ہیں ــ بارھویں اور تیرھویں صدی میں جابر ابن حیان کی بہت سی کتابوں کے لاطینی میں ترجمے کیے گئے۔ ان تراجم ہی نے آگے چل کر جدید کیمسٹری کی بنیاد رکھی۔

عربوں نے طب میں نمایاں کام کیا۔ آنکھ اور اس کی مختلف بیماریوں کے متعلق عرب طبیبوں نے بہت سے تجربات کیے۔ "مقالات فی العین" اسی زمانے کی ایک کتاب ہے۔ بغداد میں مطب جاری کرنے سے پہلے ایک امتحان پاس کرنا پڑتا تھا۔ نویں صدی کے آغاز میں ہارون الرشید نے بغداد میں ایک ہسپتال (بیمارستان) بنوایا تھا۔ قاہرہ میں پہلا ہسپتال ابن طولون کے عہد میں ۸۷۲ء میں بنا تھا۔ یہ ہسپتال پندرھویں صدی تک جاری رہا۔ ان کے علاوہ ہر بڑے شہر میں ایک ہسپتال ہوتا تھا۔ بعض ہسپتالوں میں طبی کتاب خانے بھی ہوتے تھے۔ کئی ایک میں طب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ رازی اور ابن سینا عربوں کے نامور طبیب ہیں۔ پیرس یونیورسٹی کے مدرسہ طب کے ہال میں رازی اور ابن سینا کی تصویریں لٹک رہی ہیں۔ تیسرا نامور طبیب علی ابن طبری ہے جس نے ۸۵۰ء میں "فردوس الحکمۃ" لکھی۔ علی ابن طبری کے بعد رازی ابن سینا نے طب پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ کتاب المنصوری اور الحاوی رازی کی مشہور کتابیں ہیں۔ رازی کے بعد ابن سینا کا مرتبہ ہے۔ طب میں رازی، ابن سینا سے آگے ہے لیکن فلسفہ میں رازی ابن سینا سے پیچھے ہے۔ ابن سینا بخارا کا رہنے والا تھا۔ اس کی شہرۂ آفاق کتاب "قانون" صدیوں تک یورپ کے طبی مدرسوں میں پڑھائی گئی۔ آج بھی اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے علاوہ کئی ایک یہودی اور عیسائی عربوں نے بھی طب میں نام پیدا کیا۔ حیوانیات میں جاحظ اور دمیری اور قزوینی نے کافی کام کیا۔ جاحظ کی کتاب الحیوان" میں مسئلہ ارتقا کی ایک ہلکی سی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

ساتویں اور نویں صدی میں عرب تاجر خشکی اور تری کی راہوں سے ایک طرف

چین تک اور دوسری طرف اوقیانوس کے کناروں تک پہنچ گئے تھے۔ عرب کے تجارتی جہازوں کے ملاح جنوبی افریقہ کے ساحلوں سے اچھی طرح واقف تھے تاجروں اور ملاحوں کی یہ جماعتیں اپنے وطن پہنچ کر جب ان ملکوں کے حالات بتاتی ہوں گی۔ تو اس سے دور دراز کے ملکوں اور اجنبی قوموں سے لوگوں کی دلچسپی بڑھتی ہوگی ایک نامعلوم مصنف نے ۸۵۱ء میں سلیمانی تاجر کی سیاحتِ چین پر کتاب لکھی تھی۔ اسی قسم کی دوسری کتابوں نے سندباد کے افسانوی کردار کو پیدا کیا۔ بٹولمی کی جیاگرانی، کا نویں صدی میں عربی میں ترجمہ کیا گیا خوارزمی کی صورت الارض نے جغرافیائی معلومات کے لیے ایک نیا جوش پیدا کر دیا۔ دسویں صدی میں اصطخری، ابن حوقل اور مقدسی ایسے جغرافیہ دان پیدا ہوئے اصطخری اپنی کتاب مسالک الممالک میں ہر ملک کا الگ الگ نقشہ درج کرتا ہے۔ ابن حوقل نے اس کتاب کو دوبارہ لکھ کر المسالک والممالک کے نام سے شائع کیا۔ بیس سال تک مختلف ملکوں کی سیاحت کرنے کے بعد مقدسی نے ۹۸۵ء میں معرفت الاقلیم، لکھی۔ ہمدانی اور مسعودی بھی اسی عہد کے نامور جغرافیہ دانوں میں سے ہیں۔ اخوان الصفا کی طرف سے بھی جغرافیہ پر چند رسائل لکھے گئے تھے ان میں ایک رسالہ میں کا تناتی چکر پر بحث کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ کس طرح زرعی اراضی صحراؤں میں، صحرا گلزاروں میں، سمندر میدانوں میں اور میدان سمندروں میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ عباسی عہد کے آخری ایام میں عربوں کا سب سے بڑا جغرافیہ دان، اور مصنف معجم البلدان، یاقوت (۱۱۷۹ - ۱۲۲۹) ظاہر ہوتا ہے جب تاتاریوں نے خوارزم پر حملہ کیا تو اسے خوارزم چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ معجم البلدان" ایک جغرافیائی قاموس ہے جسے حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ کتاب جغرافیہ، تاریخ، نسلیات اور طبعی علوم سے متعلقہ معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔

عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز اموی دور ہی میں ہو چکا تھا۔ عباسی عہد میں عربوں نے بڑے بڑے تاریخ نگار پیدا کیے۔ بلاذری نے 'فتوح البلدان' میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے عربوں کی فتوحات کی مکمل تاریخ لکھی۔ ابن مسلم دیناوری اور ابن داؤد دیناوری نے 'کتاب المعارف' اور 'الاخبار' لکھیں۔ یعقوبی اپنی تاریخ عالم کو ۸۷۲ پر ختم کرتا ہے۔ ایک صدی بعد مسکویہ نے تاریخ عالم کو اپنے زمانہ تک لکھا۔ مسکویہ، ابن اثیر اور ابو الفدا کا سب سے بڑا ماخذ طبری کی 'کتاب الملوک' ہے طبری (۸۳۸ - ۹۲۳) نے اس کتاب پر چالیس سال صرف کیے تھے۔ مسعودی نے 'مروج الذہب' کے نام سے تیس جلدوں میں دنیا کی تاریخ لکھی۔ اپنی موت (۹۵۶) سے تھوڑی مدت پہلے مسعودی نے اپنے فلسفۂ تاریخ کو مدوّن کیا۔ ابن اثیر نے طبری کی 'کتاب الملوک' کا خلاصہ مرتب کرنے کے بعد اس میں صلیبی جنگوں کے حالات کا اضافہ کیا۔ ابن خلکان نے ایک سوانحی قاموس مرتب کیا۔

عرب علما نے دینیات، حدیث، علم القانون اور لسانیات میں بھی نمایاں کام کیا۔ حدیث کی مستند کتابیں عباسی دور ہی میں مرتب ہوئیں۔ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی فقہ کی تدوین اسی دور سے متعلق ہے۔ ایک پرانی ایرانی کتاب 'ہزار افسانہ' نے دسویں صدی میں 'الف لیلہ' کی بنیاد رکھی۔ شاید ہی کسی زبان کے ادب کا دامن اس کتاب سے خالی رہا ہو۔ قدیم عرب شاعری کی جگہ نئی شاعری نے لی۔ اس نئی شاعری کا سب سے بڑا علم بردار ہارون اور امین کا دوست ابو نواس تھا۔ ابو نواس اپنے عہد کا سب سے بڑا اغانی اور باخوسی شاعر تھا۔ عباسی عہد میں شام نے جو بڑے بڑے نامور شاعر پیدا کیے۔ ان میں ابو العلا اور ابو تمام بہت مشہور ہیں۔ اس دور کے فارسی شاعروں میں دقیقی، فردوسی، عنصری، انوری، عطار، رومی اور سنائی زیادہ مشہور ہیں۔

گیارھواں باب

بغداد کی تباہی

مغربی ایشیا کی مسلم ریاستوں نے اپنے آپ کو صلیبیوں سے بمشکل تمام بچایا ہی تھا کہ انہیں مشرق سے اُٹھتے ہوئے ایک طوفان کا سامنا کرنا پڑا۔ مغربی اور وسطی ایشیا کی آزاد ریاستوں میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ ان میں سے کوئی ایک بھی تاتاریوں کو شکست دے سکتی۔ ان ریاستوں کو متحد کرنے والی شخصیت بھی موجود نہیں تھی چنانچہ تاتاری مغرب کی طرف بڑھے۔ چند سال کے اندر انہوں نے مغربی ایشیا کی شاداب وادیوں کو ویرانوں میں بدل دیا۔ ۱۲۱۸ء میں تاتاریوں کے سردار چنگیز خان نے دس لاکھ فوج لے کر خوارزم شاہی مملکت پر حملہ بول دیا۔ خوارزم شاہ کی فوج تاتاریوں کا مقابلہ نہ کر سکی۔ تاتاریوں نے فرغانہ، خوجند، بخارا، سمرقند، ہرات، رے اور کئی ایک دوسرے شہر تباہ و برباد کر دیئے۔ خوارزم شاہ نے بحیرۂ خزر کے ایک جزیرے میں پناہ لی۔

خوارزم شاہ کے بیٹے جلال الدین نے تاتاریوں کا مقابلہ کرنا چاہا۔ چنگیز نے جلال الدین کا پیچھا کیا۔ بامیان، کابل اور غزنی سے ہوتا ہوا جلال الدین دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر پہنچا ہی تھا کہ چنگیز بھی آن دھمکا۔ لڑائی چھڑ گئی۔ جلال الدین نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ اس کے نیچے دو گھوڑے مر چکے تھے۔ تیسرا گھوڑا اس کے نیچے تھا۔ تیس فٹ اونچے ساحل سے وہ گھوڑے سمیت سندھ میں کود پڑا۔ چنگیز اور اس کے ساتھی اس بہادر ترکمان کی بہادری پر دنگ رہ گئے۔ اسی اثنا

میں بلبن کی فوج سندھ کے مشرقی کنارے پر پہنچ چکی تھی۔ چنگیز کو سندھ عبور کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ تاتاریوں نے پھر مغرب کا رُخ کر لیا۔
وسطی ایشیا اور ایران میں تہذیب و تمدّن کے مرکزوں کو ملیا میٹ کرنے کے بعد چنگیز اپنے صحرائی مسکن کی طرف لوٹا اور مرگیا۔ جلال الدین نے اپنے باپ کی مملکت کا تھوڑا سا حصّہ تاتاریوں سے واپس لے لیا۔ جلال الدین فوج اکٹھی کر رہا تھا کہ تاتاریوں نے اسے مجبور کر دیا کہ وُہ کردستان کے پہاڑوں میں پناہ لے۔

جب وسطی ایشیا (ترکستان) اور ایران تاتاریوں کے ہاتھوں یوں مٹ رہے تھے تو اس وقت دربار بغداد سازشوں کا شکار ہو رہا تھا۔ معتصم کے وزیر ابن علقمی نے ایران کے تاتاری حاکم ہلاکو خاں کو بغداد پر قبضہ کرنے کی دعوت دی اور ہلاکو خاں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ علمی ذخائر غرق یا نذرِ آتش کر دیے گئے۔ عباسی عہد میں بغداد دنیا کا سب سے زیادہ بارونق شہر تھا۔ وسیع بازاروں، چوڑی گلیوں، دلکشا باغوں، خوبصورت مسجدوں، آباد مکتبوں، شاندار کالجوں، رفاہی ہسپتالوں، عوامی پارکوں اور اشرافی عمارتوں میں بغداد کا کوئی جواب نہیں تھا۔ بارہ میل کے قطر میں پھیلے ہوئے بغداد کے وسط میں بہتا ہُوا دجلہ اس چاند کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کرتا تھا۔ جس طرح لاہور کا دل انار کلی ہے اسی طرح بغداد کا دل مامونیہ تھا۔ صفائی اور روشنی کے انتظامات کی دیکھ بھال کے لیے ایک مجلس مقرر تھی۔ بغداد کی دولت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حکمرانوں کے علاوہ بہت سے دوسرے لوگوں کے محل حسن و جمال میں شاہی محلات سے کم نہیں تھے۔ ان محلات کی زیبائش ایرانی انداز میں کی جاتی تھی۔ ابو نواس اپنے اشعار میں ہارونی عہد کی شان و شوکت کا مرقع پیش کرتا ہے۔ آغانی کے صفحات بھی بغداد کی

عشرت پسندیوں کو اپنے اندر چھپاتے ہوتے ہیں۔ بغداد کی تجارتی سرگرمیوں کا اندازہ ان عباسی سکوں سے لگایا جاسکتا ہے جو روس، فن لینڈ، سویڈن اور جرمنی سے دستیاب ہو چکے ہیں۔

بارھواں باب

عربوں کا ہسپانیہ

اس باب کو لین پول کے ان الفاظ سے شروع کیا جاتا ہے۔ "تقریباً آٹھ سو برس تک مسلم حکمرانوں کے ماتحت ہسپانیہ نے یورپ کے سامنے ایک مہذب اور روشن خیال ریاست پیش کی۔ اس کے زرخیز صوبوں کی زرخیزی کو حکمرانوں کی صنعتی اور مہندسی صلاحیتوں نے سوگنا بڑھا دیا۔ ہسپانیہ کی شاداب وادیوں میں ان گنت شہر کھڑے ہو گئے۔ آج بھی ان شہروں کے نام ان کی عظمت رفتہ کی یاد تازہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ یورپ میں صرف ہسپانیہ ہی وہ مقام تھا، جہاں آرٹ، لٹریچر اور سائنس کو ترقی نصیب ہوئی۔ فرانس، جرمنی، انگلستان کے طلباء اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے عربوں کے ان چشموں کی طرف جوق در جوق رجوع کرتے۔ اندلس کے جراح اور طبیب سائنسی ترقی میں پیش پیش تھے۔ عورتوں کے لیے علوم و فنون کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ قرطبہ کے رہنے والوں کے لیے لیڈی ڈاکٹر کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ریاضیات، ہیئت، نباتیات، تاریخ، فلسفہ اور قانون کا مطالعہ ہسپانیہ اور صرف ہسپانیہ ہی میں ہو سکتا تھا۔ زرعی تجزیوں، آبپاشی کے سائنسی طریقوں، قلعہ بندیوں کے فنون، جہاز سازی، پارچہ بافی، آہن گری اور ظروف سازی کو ہسپانیہ ہی کے عربوں نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا تھا۔ میدان جنگ اور ایام امن دونوں میں وہ صدیوں

سب سے بلند تھے۔ ان کے بیڑے نے بحیرۂ روم میں فاطمی بیڑے سے ٹکر لی۔ ان کی تلوار نصرانی یورپ کو کاٹتی چلی گئی۔ ہسپانیہ کا قومی ہیرو سد عربوں کی حمایت میں لڑتا رہا۔ وہ تعلیم کے علاوہ دوسری باتوں میں آدھا عرب تھا۔ ہر وہ چیز جس سے مملکت کو عظمت اور خوشحالی نصیب ہوتی ہے، ہر وہ تہذیب اور شائستگی پیدا کرتی ہے عربوں کے ہسپانیہ میں موجود تھی"

پانچویں صدی میں گاتھوں کی غربی (وِسی) شاخ نے ہسپانیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس زمانے میں ہسپانیہ رومی سرداروں میں بٹا ہوا تھا۔ ہسپانیہ کا امیر طبقہ عیش و عشرت میں غرق تھا۔ غریب طبقے کے لوگ محنت و مشقت کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ اس طبقے کے بیشتر لوگ غلام ہوتے یا غلاموں کی سی زندگی بسر کرتے۔ محدود درمیانہ طبقہ بھی خوش حال نہیں تھا۔ وسی گاتھوں ایسے نڈر لوگوں کے لیے اس قسم کے لوگوں پر فتح پالینا بہت آسان تھا۔ گاتھوں کے دورِ حکومت میں ہسپانیہ کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا۔ غلام کسانوں کی حالت پہلے سے بھی خراب ہو گئی۔ پادریوں نے بہت سی زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ لیکن یہاں بھی ان پادریوں کے ہم مذہب کسانوں، غلاموں کی سی زندگی گذار رہے تھے۔ بادشاہ، سردار اور پادری مل کر ہسپانیہ کے عوام کو بڑی طرح سے لوٹ رہے تھے۔ غلام کسانوں اور درمیانے طبقے کے لوگوں سے یہ توقع کرنا کہ وہ وقت پڑنے پر ہسپانیہ کی حفاظت کر سکیں گے بہت بڑی حماقت تھی۔ ہسپانیہ کی عوامی قوت اپنے آقاؤں کے لیے اپنی انگلی تک اٹھانے کو تیار نہیں تھی۔

طارق بن زیاد

ان حالات میں ہسپانیہ تازہ دم اور انقلاب کے علم بردار عربوں کا کیونکر مقابلہ کر سکتا تھا؟ ایک ابتدائی مہم کے دو سال بعد شمالی افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر نے ۷۱۲ء میں طارق ابن زیاد کو سات ہزار سپاہیوں کی کمان

میں ہسپانیہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ جبل الطارق اسی مہم کی یادگار ہے۔ ہسپانیہ کا بادشاہ غلام کسانوں اور بددل سرداروں کا ایک انبوہ لیے طارق سے لڑنے کے لیے نکلا اسی اثنا میں افریقہ سے پانچ ہزار بربر طارق کی کمک کے لیے پہنچ گئے۔ غلام کسانوں کی وفاداری مشتبہ تھی۔ سردار بزدل اور بد اخلاق تھے۔ بادشاہ غیر مقبول تھا۔ پہلی لڑائی میں روڈریک ہار گیا۔ ہسپانیہ پر عربوں کا قبضہ ہو گیا۔ آٹھ سو سال تک عربوں نے ہسپانیہ پر حکومت کی۔

ایک ہی وار میں ہسپانیہ عربوں کے قدموں میں تھا۔ اس لڑائی کے بعد ہسپانیہ کے چند شہروں نے عربوں کا مقابلہ کرنے کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔ قرطبہ، ارشیدونہ، ملاغہ، الویرا، اور تولیدو (طلیطلہ) ایک ایک کر کے عربوں کے قبضے میں آ گئے۔ دمشق کے اموی خلیفوں کی سلطنت سندھ سے سپین تک پھیل گئی۔ نوجوان طارق کی فتوحات نے بوڑھے موسیٰ میں جوش پیدا کر دیا۔ آبنائے پار کرنے کے بعد موسیٰ بن نصیر ہسپانیہ میں داخل ہو گیا۔ کارمونا، سیوائل اور مریدا کو مسخر کرنے کے بعد موسیٰ نے طلیطلہ میں طارق سے ملاقات کی۔ طارق چونکہ موسیٰ کی اجازت کے بغیر آگے بڑھ چکا تھا۔ اس لیے گورنر نے جرنیل کو قید کر لیا۔ لیکن خلیفہ ولید نے طارق کو ہسپانیہ کی کمان پر مامور کر دیا۔ موسیٰ بن نصیر کو دمشق بلا لیا گیا۔ اس کا انجام اچھا نہ ہوا۔ خلیفہ کے احکام ملنے سے پہلے بوڑھا جرنیل پائی رنیز کی بلندیوں سے سارے یورپ پر عقابی نگاہ دوڑا چکا تھا۔

۷۱۹ء میں عرب جنوبی فرانس میں تھے۔ تیرہ برس بعد عبدالرحمٰن طورس کی جانب بڑھا۔ فرانس کے میروونجی بادشاہ پیپن کا حاجب، چارلس، عرب جرنیل کو روکنے کے لیے میدان میں نکل آیا۔ چارلس کے سپاہیوں اور روڈریک کے غلام کسانوں کی فوج میں بڑا فرق تھا۔ چارلس کے فرانک عبدالرحمٰن کے عربوں سے کم بہادر نہیں تھے۔ چارلس نے عربوں کو روک کر 'مارتل' کا نام پایا۔ فرانک، عربی تلوار کی کاٹ اور عرب'

فرانکوں کی بہادری دیکھ چکے تھے۔ عرب ہسپانیہ میں چلے آتے اور فرانک اپنے گھر میں آزاد تھے۔ پائی ری نیز پار کرنے سے دونوں گریز کرتے رہے۔

زاب کی لڑائی دمشق کی اموی خلافت کو ختم کر چکی تھی۔ ہسپانیہ کا گورنر یوسف خلافت کی تبدیلی سے فائدہ اُٹھا کر بہت حد تک آزاد ہو چکا تھا۔ عباسی خلافت سے اس کا برائے نام تعلق تھا۔ زاب کی لڑائی کے بعد ایک اموی شہزادہ عبدالرحمٰن بڑی مشکل سے جان بچا کر شمالی افریقہ کے بربر قبائل تک پہنچ گیا۔ شمالی افریقہ کے ساحل پر سے عبدالرحمٰن نے اموی سلطنت کے اس صوبے پر نظر دوڑائی جو آبنائے کی دوسری طرف تھا۔ اس نے اپنے دوستوں، عزیزوں اور حامیوں کو پیغام بھیجا۔ انہوں نے اسے ہسپانیہ بلالیا۔ ہسپانیہ کے بہت سے عرب سردار عبدالرحمٰن کے حامی بن گئے۔ یوسف کو لڑائی میں شکست کھانی پڑی (۷۵۶ء) عبدالرحمٰن قرطبہ میں داخل تو ہو گیا لیکن اُسے بہت سے عرب اور بربر سرداروں کا مقابلہ کرنا تھا۔ یہ فوجی سردار ہسپانیہ کو آپس ہی میں بٹا رہنے دینا چاہتے تھے۔ عبدالرحمٰن اور ان سرداروں کی لڑائی جاگیرداری اور شاہیت میں کش مکش تھی۔ ہسپانیہ کے بعض عرب جاگیردار پائی ری نیز پار کر کے شارل مین سے مدد مانگنے لگے۔ شارل مین کی اپنی سلطنت کے پھیلاؤ کے لیے جاگیرداروں کا ہسپانیہ، قرطبہ کی مرکزیت کے تابع ہسپانیہ سے کہیں زیادہ مفید تھا۔ ۷۷۷ء میں شارل مین نے سرغوسہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسی اثنا میں سیکسنوں کی بغاوت نے اُسے لوٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ واپسی پر رونس ویلے میں شارل مین کی فوج کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ صدیوں بعد جب انگریزوں نے ہسپانیہ میں نپولین کے سپاہیوں کا اسی درے میں تعاقب کیا تو اس وقت بھی وہاں کے دیہاتیوں کی زبان پر شارل مین کی فوج کی تباہی کے گیت تھے۔

عبدالرحمٰن کو اپنی بادشاہت مستحکم کرنے کے لیے اگرچہ بہت سختیاں کرنا پڑی

تھیں۔ لیکن وُہ طبعاً نرم دل اور علوم و فنون کا سرپرست تھا۔ اس نے قرطبہ کو کئی ایک خوب صورت عمارتوں سے آراستہ کیا۔ اندلس (عربوں کا ہسپانیہ) کے بہت سے حکمرانوں کی طرح عبدالرحمٰن شعر بھی کہتا تھا۔ عبدالرحمٰن اپنے باپ دادا کی سرزمین سے کھجور کا ایک درخت اندلس میں لگانے کے بعد اس سے یوں مخاطب ہوتا ہے: "میری طرح تو بھی دوستوں اور عزیزوں سے جُدا ہو چکا ہے۔ اپنے وطن سے دُور تو ایک اجنبی سرزمین میں پرورش پا رہا ہے"۔ عبدالرحمٰن کا بیٹا اور جانشین ہشام (۷۸۸ - ۷۹۶) ایک نیک دل حکمران تھا۔ موسم کی شدت کے باوجود وُہ اپنے کندھے پر اناج لیے ہوئے کسی محتاج اور مفلس کی امداد کو پہنچ جاتا چونکہ وُہ مذہب کا بہت زیادہ پابند تھا۔ اس لیے اس کے دَورِ حکومت میں مذہبی علماء کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا۔ اس نے اس مسجد کو مکمل کروایا جسے اس کا باپ ادھوری چھوڑ گیا تھا۔ اس نے اندلس کے باغی سرداروں کی سرکوبی کی اور فرانکی حملوں کو روکا۔ ہشام اور امام مالکؒ میں دوستانہ تعلقات تھے۔ اس نے اندلس میں مالکی فقہ جاری کرنے کی بہت کوشش کی۔ ہشام کے جانشین حکم (۷۹۶ - ۸۲۲) کو اپنے پورے دورِ حکومت میں اندرونی بغاوتوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس نے شاعروں، راگیوں اور علوم و فنون کے ماہروں کو اپنے نزدیک جگہ دی۔ حکم نے دینی علماء کو سیاسیات سے الگ رکھنا چاہا۔ اس پر علماء مسجدوں اور بازاروں میں اس کی مذمت کرتے۔ چونکہ ان علماء کا اثر ہسپانوی مسلمانوں میں بہت زیادہ تھا اس لیے حکم کی مخالفت میں وُہ عربوں سے بھی پیش پیش تھے۔ اندلس میں نسلی امتیاز تین صورتیں اختیار کر چکا تھا۔ ہسپانوی مسلمان بلادیّون کہلاتے تھے۔ عیسائی عورتوں سے عربوں کی اولاد مولّد کہلاتی تھی۔ خالص نسل کے عرب، بلادیّون اور مولّد دونوں کو حقارت سے دیکھتے تھے۔ بلادیّون اور مولّد عربوں کی مخالفت میں متحد ہو جاتے تھے۔ حکم کے خلاف بلادیّون کی

بغاوت میں دینی علما نے بادشاہ کی مخالفت کی۔ جب حکم کو اندرونی بغاوتوں کا سامنا تھا تو شارل مین کے دو بیٹے لوئی اور چارلس اندلس کے شمالی صوبوں پر ٹوٹ پڑے۔ حکم نے انہیں پائی ری نیز کے پار بھگا دیا۔ ۸۱۴ میں حکم کے حبشی غلاموں میں سے ایک نے ایک قرطبی کے تھپڑ مارا۔ قرطبہ کے عوام نے مشتعل ہو کر حکم کے محل کا محاصرہ کر لیا۔ اس شورش میں دینی مدرسوں کے ہزاروں طلبہ بھی شامل تھے۔ حکم نے اپنے محل میں سے انسانی سیلاب کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ بہادر انسانوں کی طرح حکم نے اپنے حواس پر قابو رکھا۔ حکم کے حکم سے محاصرین کے گلی کوچوں میں آگ لگا دی گئی۔ شاہی محل اور قلعہ کو مسخر کرنے والے اپنے بال بچوں کے بچاؤ کے لیے بھاگ نکلے۔ حکم نے باغیوں کو سخت سزا دی۔ ہزاروں کو جلا وطن کر دیا گیا۔ چند ایک جلا وطن فیض میں بس گئے اور دوسرے سکندریہ سے ہوتے ہوئے کریٹ جا پہنچے۔ بلادیون کی بغاوت پر قابو پایا جا چکا تھا۔ باغی سرداروں کی بھی سرکوبی کی جا چکی تھی۔ صرف اندلس کی شمالی سرحد پر قبائلی حملوں کے امکانات باقی تھے۔ امن و امان کے اس دور میں عبدالرحمن دوم (۸۲۲ - ۸۵۲) نے عنان حکومت سنبھال لی۔ لیون کے سردار الفانسو دوم نے مدینہ سلیم پر چڑھائی کر دی لیکن شکست کھائی۔ فرانکوں نے بھی اندلس کے ایک حصے پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا۔ فرانک بھی شکست کھا کر واپس ہو گئے۔ عبدالرحمٰن دوم ہی کے عہدِ حکومت میں اندلس کے ساحل پر نارمنوں نے حملے کیے۔ اندلسی بیڑے نے نارمنوں کو شکست دے کر اندلس کے بہت سے ساحلی شہروں کو تباہی سے بچا لیا۔ اسی اثنا میں قرطبہ کے عیسائیوں کی ایک بہت بڑی تعداد آداب اور اخلاق میں نیم عرب بن چکی تھی۔ عام عیسائی جو پادریوں کے زیرِ اثر تھے، انہیں نہ صرف عربوں بلکہ نیم عرب عیسائیوں کے خلاف بھی ابھارا گیا۔ عبدالرحمٰن دوم کی حکومت کے آخری چند سال قرطبہ کے ان عیسائیوں کی شورش پر قابو پانے میں صرف ہوئے جو سزائے موت

کی تمنا میں حکمرانوں کے دین پر غیر شریفانہ اور گستاخانہ انداز میں نکتہ چینی کرتے۔ ان واقعات کے باوجود عبدالرحمٰن دوم کا عہد حکومت شاندار تھا۔ علوم و فنون کی سرپرستی پر بہت کچھ صرف کیا گیا۔ عبدالرحمٰن دوم کی کوششوں سے قرطبہ میں بغداد ایسی رونق پیدا ہو گئی۔ اسی حکمران کی دعوت پر مشہور راگی زریاب بغداد سے قرطبہ پہنچا۔ زریاب نے اندلس کے طول و عرض میں موسیقی کے ماہر، شیدائی اور سرپرست پیدا کر دیئے۔ ہسپانیہ کی موجودہ موسیقی میں عرب اثرات صاف دکھائی دیتے ہیں۔ عبدالرحمٰن دوم نے قرطبہ کی رونق بڑھانے کے لیے کئی ایک نئی عمارتیں بنوائیں۔ عبدالرحمٰن دوم کے تین جانشینوں کو عرب سرداروں، ہسپانوی امیروں اور بربروں کی بغاوتوں پر قابو پانے میں اپنی کوششیں صرف کرنا پڑیں۔ اندلس کی سیاسی مرکزیت ختم ہو چکی تھی۔ قدم قدم پر چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو چکی تھیں۔ بے چینی اور بدامنی کے اس دور پر عبدالرحمٰن سوم (۹۱۲ - ۹۶۱) اپنی ہمت اور بہادری سے قابو پانے کے لیے آگے بڑھتا ہے۔

اصلاحات

عبدالرحمٰن سوم نے تخت نشین ہوتے ہی اعلان کر دیا تھا کہ وہ اپنی مملکت کے اندر کسی قسم کی بغاوت اور بدامنی کو برداشت نہیں کرے گا۔ ایک مدت کی لوٹ مار نے اندلس کو ویران کر رکھا تھا۔ باغی سرداروں اور ان کے ساتھیوں کی لوٹ مار نے عوام کے دلوں میں پر امن زندگی بسر کرنے کی خواہش پیدا کر دی تھی۔ عبدالرحمٰن سوم کی ہمت اور عوام کی اس آرزو نے ایک ایک کر کے بغاوت کے تمام آثار مٹا دیئے۔ عرب سرداروں کی قوت مٹانے کے بعد اس نے اپنی سلطنت کی حفاظت کے لیے ان غلاموں کی ایک فوج تیار کی جنہیں یونانی اور وینسی تاجر بچپن ہی میں عبدالرحمٰن سوم کے ہاتھ بیچ ڈالتے تھے۔ ان غلاموں نے آگے چل کر اتنا اقتدار حاصل کر لیا کہ وہ عرب حکومت کے زوال کا ایک سبب بن گئے۔ اس فوج کی مدد سے عبدالرحمٰن سوم نے نہ صرف اندرونی بغاوتوں پر قابو پایا بلکہ جنوب فاطمی حکمرانوں سے

مکمل اور شمال میں کیتائل، لیون اور نادارے کے فوجی سرداروں کے پیہم حملوں کی روک تھام کی۔ عبدالرحمٰن سوم پہلا اندلسی حکمران ہے جس نے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔ اس کے طویل عہد حکومت میں اندلس نے بہت زیادہ ترقی کی۔ قرطبہ اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ اس کے دربار میں بازنطین، فرانس، جرمنی اور اٹلی کے سفیروں کی موجودگی اس کی عظمت کا ثبوت ہے۔

علم و حکمت کا خزانہ

عبدالرحمٰن سوم اندلس کے اموی حکمرانوں میں آخری بڑا حکمران تھا۔ اس کا بیٹا حکم دوم (۹۶۱-۹۷۶) اگرچہ بہت بڑا عالم تھا۔ لیکن وقت پر اس نے ثابت کر دیا کہ عالم، میدان جنگ میں علم بھی اٹھا سکتا ہے۔ کتابوں میں گھرا ہوا انسان تلوار بھی پکڑ سکتا ہے۔ حکم دوم کے جرنیل غالب کو نہ صرف شمال میں کامیابی ہوئی بلکہ اس نے جنوب میں بھی فاطمی فتوحات کی روک تھام کی۔ حکم دوم کے پیش رو بھی سائنس، آرٹ اور لٹریچر کے سرپرست تھے لیکن حکم دوم ان سب سے بازی لے گیا۔ اس کی کتاب دوستی نے اندلس کو کتب فروشی کا بہترین بازار بنا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے کتب خانے میں چالیس لاکھ کتابیں تھیں! ابوالفرج اصفہانی نے اپنی تصنیف 'کتاب الفہرست' کا پہلا نسخہ حکم دوم کو بھیج کر ایک ہزار دینار پائے۔ کتابوں کی عام اشاعت کے لیے حکم کے محل کا ایک حصہ دفتر کتابت کے لیے وقف تھا۔ اس نے فلسفیوں کی حفاظت کی جنہیں تنگ نظری پریشان کیے رکھتی تھی۔ حکم دوم کے عہد حکومت میں اندلس میں شاید ہی کوئی ان پڑھ دکھائی دیتا ہو۔ اس نے غریب طبقے کے بچوں کے لیے قرطبہ میں ستائیس سکول جاری کیے، قرطبہ کی یونیورسٹی ہی نے یورپی ملکوں میں فلسفہ اور سائنس، کی تعلیم کا شوق دلایا۔ جب لندن اور پیرس چوبی جھونپڑوں کے ڈھیر دل سے عبارت تھے تب قرطبہ کی رونق اپنے عروج پر تھی۔

عبدالرحمٰن اوّل نے قرطبہ کو بارونق شہر بنانے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا۔ اسے

اس کے جانشینوں نے بڑی سرگرمی کے ساتھ جاری رکھا۔ قرطبہ کے دورِ عروج میں "رات کو لیمپوں کی روشنی میں دس میل کا سفر کیا جا سکتا تھا"۔ دس میل لمبے اور چار میل چوڑے قرطبہ میں محلوں، باغوں، مدرسوں اور دوسری عمارتوں کا کوئی شمار نہیں تھا۔ قرطبہ سے چار میل دور الزہرا کا محل اندلس کے حکمرانوں کے ذوقِ تعمیر اور شوقِ جمال کا ایک لاثانی مظہر تھا۔ قرطبہ کی دس لاکھ آبادی کے لیے آب رسانی کا حیرت انگیز انتظام تھا۔ قرطبہ ہی میں سب سے پہلے شوریٰ کی بنیاد رکھی گئی۔ جب یورپ کے ہر بڑے شہر میں "صفائی" کو گناہ اور نہانے کو کفر سمجھا جاتا تھا۔ تب قرطبہ میں ہزاروں حمام تھے۔ ان حماموں کو فلپ دوم نے "نشاناتِ کفر" کی بنا پر مسمار کروا دیا۔ قرطبہ کی جامع مسجد کے بچے کھچے آثار آج بھی اس کی پرانی عظمت کے اظہار کے لیے موجود ہیں۔

عبدالرحمٰن کے کمزور جانشین

حکم دوم کی موت کے بعد حرم کی سازشوں نے وزیر اعظم منصور کو اتنا طاقتور بنا دیا کہ حکم کے جانشین ہشام دوم کی حیثیت ایک قیدی سے زیادہ نہیں تھی۔ منصور (سابق ابن ابی عامر) نے عربوں کی جگہ بربروں کو فوج میں بھرتی کیا۔ اس نے لیون اور ناوارے کو قرطبہ کا باج گزار بنا کر اپنی مقبولیت میں اضافہ کیا۔ ۹۹۱ء میں اس نے وزارت کو خاندانی میراث بنانے کے لیے قدم اُٹھایا۔ اس اقدام میں اسے کامیابی ہوئی۔ اس نے مذہبی حلقوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے فلسفے کی کتابوں کو آگ لگا کر ان کا پڑھنا ممنوع قرار دے دیا۔ ۱۰۰۲ء میں منصور کی موت کے بعد اس کا بیٹا المظفر وزیر اعظم بنا۔ اس زمانے میں اندلس اور خاص کر قرطبہ میں درمیانہ طبقہ سیاست میں حصّہ لینے کے لیے آگے بڑھا۔ جب المظفر کے جانشین عبدالرحمٰن نے تخت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو شاہی خاندان کے ایک فرد مہدی نے اسی درمیانے طبقے کی امداد سے قرطبہ میں بغاوت کر دی۔ بنو عامر کے محل کو آگ لگا دی گئی۔ ہشام، مہدی کے حق میں

تخت سے دستبردار ہو گیا۔ مہدی کی بغاوت کا اندلس کے دوسرے شہروں پر بھی اثر پڑا۔ درمیانے طبقے کی رہنمائی میں عوام بھی بنو عامر کے اقتدار کو ختم کرنے کے لیے جمع ہو گئے مہدی نے بہت تھوڑی مدت میں جو فوج تیار کی تھی۔ اس کے بیشتر افسر درمیانے یا نچلے طبقے کے لوگوں میں سے تھے۔ نیا حکمران مہدی تخت پر بیٹھتے ہی ان جماعتوں سے الجھنے لگا۔ جن کی وجہ سے اسے کامیابی ہوئی تھی۔ اس پر بربروں نے اموی خاندان کے ایک شہزادے سلیمان کو تخت کا دعوے دار کھڑا کر دیا۔ مہدی نے ہشام کو پھر تخت پر بٹھا دیا۔ سلیمانیوں اور ہشامیوں میں کئی مہینے تک لڑائی ہوتی رہی۔ اس لڑائی میں قرطبہ پر جس پارٹی کا بھی قبضہ ہوتا وہ اسے دشمن کا شہر جان کر تباہ کر دیتی۔ اس لڑائی میں قرطبہ کی بہت سی عمارتوں کو نقصان پہنچا۔ مہدی کے مارے جانے کے بعد سلیمان نے ہشام کو قید کر لیا۔ سلیمان بھی زیادہ مدت تک حکومت نہ کر سکا۔ اندلس کا ہر شہر مرکز سے کٹ چکا تھا۔ ہر شہر کا الگ حکمران تھا۔ گیارھویں صدی کے وسط میں قرطبہ کی شہری کونسل نے قرطبہ کو ایک جمہوریت میں بدل دیا۔ چند سال بعد قرطبہ کی سیاسی صورت حالات نے صوبائی حاکموں کو اپنی اپنی آزاد ریاستیں قائم کرنے کا موقع دے دیا۔ ان ریاستوں میں علوم و فنون کی ترقی جاری رہی۔ اندلس میں ان چھوٹی ریاستوں کا قیام کیتائل کے سیاسی اقتدار کا سبب بنا۔ فرڈی نینڈ اوّل کی موت (۱۰۶۵) کے بعد اس کے جانشین الفانسو ششم نے چند ایک نواحی ریاستوں پر قبضہ کرنے کے بعد اندلس کو زیر نگین لانے کے لیے اپنی فوج کو حرکت دی ہسپانیہ کی عرب ریاستوں نے مرابطی حکمران یوسف بن تاشفین کو مدد کے لیے بلایا۔ شمالی افریقہ کے تازہ دم بربروں نے ۱۰۸۶ء میں الفانسو کو شکست دی۔ بہت تھوڑی مدت میں مراکو کے حکمران نے سارے اندلس پر قبضہ کر لیا۔ المرابطین کے دور حکومت میں اندلس میں دینی علما کا اثر بہت بڑھ گیا۔ ان علما نے امام غزالی کی کتاب "احیا العلوم" کے مطالعہ

پر پابندی لگادی جب یوسف کا جانشین ابوالحسن شمالی ہسپانیہ میں فتوحات حاصل کر رہا تھا شمالی افریقہ میں الموحدین قوت پکڑ رہے تھے۔ بارھویں صدی کے وسط میں مراکو پر الموحدین نے قبضہ کر لیا۔ المرابطین اور الموحدین کی لڑائیوں نے کیتائل کے حکمران الفانسو ہفتم کے سیاسی اقتدار کو بڑھا دیا۔ عرب ریاستوں نے پھر مراکو سے امداد مانگی۔ ۱۱۴۷ء میں عبدالمومن نے ان کی امداد کے لیے فوج بھیج دی۔ عبدالمومن کے جرنیلوں نے اندلس کو فتح کر لیا۔ عبدالمومن کے دورِ حکومت میں مراکو علوم وفنون کا مرکز بن گیا۔ یعقوب کے عہد میں الموحدین کی سلطنت اپنے عروج پر تھی۔ اس نے ہسپانیہ میں بھی کئی ایک نئے شہر فتح کیے۔ یعقوب (۱۱۸۴-۱۱۹۹) علوم وفنون کی ترقی کے لیے مشہور ہے۔ ابن ماجہ اور ابن رشد اس کے ہم عصروں میں سے تھے۔ یعقوب کی موت کے ساتھ ہی کیتائل کے حکمران الفانسو نہم نے اندلس پر چڑھائی کر دی۔ صلاح الدین ایوبی سے پٹے ہوئے صلیبی سپاہیوں نے ہسپانیہ میں پہنچ کر اندلس کے خلاف مذہبی جنگ کا اعلان کر دیا۔ سپاہیوں کے اس جوش وخروش سے الفانسو نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ الموحدین کے زوال کے ساتھ ہی اندلس کی مرکزیت بھی ختم ہو گئی۔ اندلس پھر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا۔ اسی زمانے میں ابن احمر نے ایک ایسی ریاست قائم کی جو آئندہ اڑھائی سو سال تک عربوں کی تہذیب کا مظہر بنی رہی۔

ابن احمر نے غرناطہ کو اندلس میں عربوں کا آخری قلعہ بنا دیا۔ اسی غرناطہ نے علوم وفنون میں قرطبہ ایسی شہرت حاصل کر لی۔ ابن احمر نے غرناطہ میں الحمرا ایسا خوبصورت محل بنوایا۔ ابن احمر کے جانشینوں نے الحمرا کی آرائش پر بہت کچھ صرف کیا۔ دشمنوں میں گھرا ہوا غرناطہ بڑی بہادری سے حملہ آور کا مقابلہ کرتا رہا، لیکن جب بیرونی دشمنوں اور اندرونی سازشیوں نے ایکا کر لیا تو پھر غرناطہ کب تک مقابلہ کرتا۔ فرڈی نینڈ اور ازابیلہ کی شادی نے کیتائل اور لیون کو متحد کر دیا تھا۔ غرناطہ کا حکمران ابوالحسن جب اس اتحاد کے خلاف

لڑرہا تھا تو اس کے بیٹے ابوعبداللہ نے غرناطہ میں بغاوت کر دی۔ فرڈی نینڈ غرناطہ کی طرف بڑھا۔ کل کا بڑا شہر آج ایک وسیع گورستان تھا۔ (۲ جنوری ۱۴۹۲) ابوعبداللہ کو شمالی افریقہ میں جلاوطن کر دیا گیا۔ اندلس میں اب کوئی ایسا مقام نہیں تھا جہاں عربوں کو پناہ مل سکتی۔

عقل و دانش مشعل برداروں، تہذیب و تمدن کے معماروں، علوم و فنون کے سرپرستوں اور صنعت و حرفت کے ماہروں کو آگ میں پھینکا جا رہا تھا۔ انہیں گھروں سے نکالا جا رہا تھا، وحشیوں نے تہذیب کے اس قافلے کو لوٹ لیا جس میں ابن باجہ، ابن طفیل اور ابن رشد اپنی بغلوں میں فلسفے کی کتابیں دابے ہوئے سفر کر چکے تھے۔

تیرھواں باب

عثمانی سلطنت کا عروج

تاتاریوں کے پھیلاؤ نے وسطی اور مغربی ایشیا میں افراتفری اور نقل مکانی کا ایک سلسلہ پیدا کر دیا تھا۔ اسی سلسلے میں خراسان کے بدوی ترکوں کا ایک قبیلہ ایشیائے کوچک کا رُخ کرتا ہے۔ چار ہزار ترک اپنے سردار سلیمان شاہ کی قیادت میں ارض روم کے آس پاس ڈیرے ڈالتے ہیں۔ تھوڑی مُدت بعد پردیسیوں کا یہ قافلہ فرات کو پار کرتے وقت اپنا سردار کھو بیٹھتا ہے۔ سردار کے دو بیٹے اس واقعہ کو بُرا شگون سمجھتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں۔ سردار کے دوسرے دو بیٹے ارطغرل اور دندار اپنے ساتھیوں سمیت اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد سلجوقی سلطنت کے بچے کھچے حصوں میں داخل ہوتے ہیں۔ ایشیائے کوچک کے اس علاقے پر تین سو سال سے ترک قابض ہیں۔ ارطغرل اور اس کے ساتھی سفر کرتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ رُک جاتے ہیں دو فوجیں آپس میں لڑ رہی ہیں۔ لڑنے والے کون ہیں؟ مسافر کچھ نہیں جانتے "دوستو! ہم میدان جنگ میں ہیں۔ ہمیں بھی اس لڑائی میں حصّہ لینا چاہیے۔ ہمیں کمزور فریق کا ساتھ دینا ہے" ارطغرل کے ساتھی کمزور کی حمایت میں طاقتور سے لڑنے لگتے ہیں۔ تاتاری بھاگ نکلتے ہیں۔ قونیہ کا سلطان علاؤالدین مدد کرنے والوں کے سردار کا شکریہ ادا کرنے کے لیے آگے

بڑھتا ہے۔ سلطان خوش ہوکر ارطغرل کو بروصہ کے قریب ایک جاگیر بخشتا ہے۔ اس ترکِ تقدیر آزما کی موت (۱۲۸۸) کے بعد اس کا بیٹا عثمان اپنے قبیلے کا سردار بنتا ہے۔ یہی عثمان اس سلطنت کی بنیاد رکھتا ہے جو تاریخ میں عثمانیوں کی سلطنت کہلاتی ہے۔

عثمان

عثمان (۱۲۸۸-۱۳۲۶) نے اپنے باپ کی جاگیر کو ایک چھوٹی سی ریاست میں بدل دیا جس کی شمالی حدود باسفورس اور بحرِ اسود کے کناروں تک پھیل چکی تھیں۔ اس ریاست کا رقبہ تقریباً سات ہزار مربع میل اور اس کا سب سے بڑا شہر بروصہ تھا۔ اناطولیہ میں اس ریاست سے کئی ایک بڑی ریاستیں تھیں لیکن عثمان نے اپنی ریاست کے سلافیوں، یونانیوں اور ترکوں کو ایک لڑی میں پرو کر انہیں منظم کر دیا۔ عثمان نے فتوحات کا جو سلسلہ شروع کیا اسے اس کے جانشینوں نے ایک دوسرے کے بعد جاری رکھا۔ یہاں تک کہ سلیمان اعظم کے عہدِ حکومت میں عثمانی سلطنت اپنے عروج پر تھی۔ عثمان کے جانشین ارخان (۱۳۲۶-۱۳۵۹) نے اپنی ریاست کو تین گنا بڑھا دیا۔ اس نے تھوڑے سے یورپی علاقے پر بھی قبضہ کیا۔ اس نے بروصہ کو اپنی راجدھانی بنا کر اپنے لیے سلطان کا لقب اختیار کیا اس نے باقاعدہ اور تنخواہ دار فوج تیار کی۔ ارخان نے بازنطینی شہنشاہ کو اس کے ایشیائی مقبوضات سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا۔ عثمان اور ارخان نے عثمانی خاندان اور عثمانی ریاست کی طرح ڈالی۔ مراد (۱۳۵۹-۱۳۸۹) نے عثمانی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ جب مراد نے شمالی ریاست کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اس وقت بھی اناطولیہ میں عثمانی ریاست سے بڑی ریاستیں موجود تھیں۔ عثمانیوں نے اگرچہ قسطنطنیہ کو گھیر رکھا تھا لیکن اس کی آزادی برقرار تھی۔ بازنطینی راجدھانی اور تھریس میں ابھی تک رسل و رسائل کے ذرائع باقی تھے۔ دردِ دانیال کے دونوں طرف کے علاقوں پر مراد کا قبضہ تو تھا لیکن

اپنی فوجوں کو ایشیائی ساحل سے یورپی ساحل تک پہنچانے کے لیے اس کے پاس کوئی بیڑہ نہیں تھا۔ مراد نے جنیوی بیڑے کا تعاون حاصل کیا۔ مراد نے تھریس، بلغاریہ، مقدونیہ، سرویا اور اناطولیہ میں فتوحات سے اپنی ریاست کو پانچ گنا بڑھا دیا۔ اناطولیہ کی ریاستوں کو ختم کرنے کے لیے مراد نے سرویا اور بلغاریہ کے حکمرانوں سے امداد لی۔ مراد یورپ کے مفتوحہ علاقوں سے ہر سال دس اور بارہ سال کی درمیانی عمر کے ایک ہزار لڑکوں کو جبری طور پر حاصل کر کے انہیں فوجی تربیت دیتا۔ اس فوج کے سپاہیوں کو شدید قسم کی فوجی زندگی گزارنا پڑتی تھی۔ اس فوج کے سپاہی 'جاں نثار' کہلاتے تھے۔ اس فوج نے آگے چل کر عثمانیوں کے لیے کئی ایک علاقے فتح کیے لیکن آخر کار یہی فوج عثمانی سلطنت کے زوال کا ایک سبب بنی۔

بایزید یلدرم

بایزید یلدرم (۱۳۸۹ - ۱۴۰۳) چونتیس برس کی عمر میں اپنے باپ مراد کا جانشین بنا۔ بایزید کا تقریباً سارا عہد حکومت فتوحات کا سلسلہ ہے۔ اس سلسلے کی آخری کڑی ایک بہت بڑی شکست ہے۔ بایزید اگرچہ مذہب کے بارے میں زیادہ بردبار نہیں تھا لیکن بہادری میں وہ پہلے عثمانی حکمرانوں سے کم نہیں تھا۔ بایزید نے کوسووا کی لڑائی میں سربیا کے بادشاہ سٹیفن کو صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔ سرویا کو داخلی آزادی کے ساتھ ساتھ عثمانی سلطان کا باج گزار بننا پڑا۔ سرویا کو گھٹنوں کے بل جھکانے کے بعد بایزید نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ بازنطینی شہنشاہ نے خراج دینا منظور کر لیا۔ محاصرہ اُٹھا لیا گیا۔ عثمانی فوج نے ایشیائے کوچک کی ریاستوں پر ہلہ بول کر کئی ایک نئے علاقوں کو عثمانی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ۱۳۹۳ء میں بایزید کے بیٹے سلیمان نے شمالی بلغاریہ کی راجدھانی ترنووا پر قبضہ کیا۔ اسی اثنا میں نکوپولس اور دوسرے شہروں پر عثمانیوں نے قبضہ کرنے کے بعد ہنگری پر حملہ کرنے کی راہ پیدا کی۔ عثمانیوں کی فوج نے ہنگری کے سرحدی علاقوں میں دہشت پیدا کر دی، بایزید ہنگری کے اندرونی علاقوں میں داخل ہونا چاہتا

تھا کہ کرمانیہ کے امیر کی سرگرمیوں نے اُسے ایشیائے کوچک کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ امیر کی فوج کو شکست دینے کے بعد سلطان بایزید نے قونیہ اور دوسرے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ ایشیا اور یورپ میں فتوحات حاصل کرنے کے بعد بایزید نے سستانا چاہا۔ آرام طلبی نے اُسے عیش و عشرت میں مبتلا کر دیا۔ سلطان کو اس حالت میں دیکھ کر ہنگری نے عثمانی سلطنت کی سرحدوں پر حملے شروع کر دیئے۔ بایزید نے ثابت کر دیا کہ اس میں ابھی توانائی باقی ہے۔ ہنگری نے یورپ سے ایک نئی صلیبی جنگ کی اپیل کی۔ فرانس، انگلستان، اسکاٹ لینڈ، فلینڈرز، لومباردی، سوائے اور دوسرے علاقوں سے صلیبی سپاہی ہنگری پہنچ گئے۔ ہنگری، ابوسنیا اور ولیشیا کے دستوں کو ملا کر صلیبی سپاہیوں کی تعداد ساٹھ ہزار تک پہنچ گئی۔ ہنگری کا بادشاہ سگس من اس لشکر کا سردار تھا۔ اس صلیبی لشکر نے سرویا کی عیسائی بستیوں کو لوٹنے کے بعد نکوپلس کا محاصرہ کر لیا۔ سولھویں دن بایزید بھی آن پہنچا۔ اس نے تین گھنٹوں میں اس صلیبی لشکر کو بھگا دیا۔ ہنگری اور ولیشیا میں چند ایک معرکوں کے بعد بایزید ایڈریانوپل (ادرنہ) پہنچ گیا۔ وہاں سے عثمانی بجلی اچانک یونان پر گری۔ ایڈریانوپل پہنچ کر سلطان نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ بازنطینی سلطنت اسی شہر کی چار دیواری میں محدود تھی۔ سلطان نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنا چاہا تھا کہ تیمور کی یلغار نے اسے محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور کر دیا۔ تیمور اور بایزید کی سلطنتوں کی سرحدوں کے مل جانے سے تاتاری اور ترک میں لڑائی یقینی ہو چکی تھی۔ چھوٹے چھوٹے سرحدی جھگڑوں نے تلخ مراسلت کی صورت اختیار کر لی۔ ۱۴۰۰ء میں تیمور نے آرمینیا کی راہ سے اناطولیہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ سیواس کو تباہ کرنے اور بایزید کے بیٹے ارطغرل کو قتل کرانے کے بعد تیمور ایشیائے کوچک میں آگے بڑھنے کی جگہ شام میں داخل ہو گیا۔ شام اور عراق میں فتوحات حاصل کرنے کے بعد تیمور ۱۴۰۲ء میں سیواس پہنچ گیا۔ تیمور اور بایزید میں پھر تلخ مراسلت ہوئی۔ تیمور آگے بڑھا۔ سلطان پوری طرح سے تیار ہو چکا تھا۔ انگورہ (انقرہ) میں

دونوں کا سامنا ہوا۔ بایزید کی فوج کے تاتاری سپاہی تیمور کے تاتاریوں کے ساتھ مل گئے سرویا کے پرنس سٹیفن اور اس کی فوج نے حملہ آور کا بہادری سے مقابلہ کیا۔ بایزید نے بھی شجاعانہ کارناموں کا مظاہرہ کیا لیکن آخر کار عثمانی فوج کو شکست ہوئی اور سلطان بایزید گرفتار کر لیا گیا۔ تیمور نے مفتوح سلطان اور اس کے حرم کو ذلیل و رسوا کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ آٹھ مہینوں کی ذلت و رسوائی کے بعد سلطان بایزید اس دنیا سے چل بسا۔ اسی اثنا میں تیمور نے بروصہ اور سمرنا پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ تیمور سے خوفزدہ ہو کر ایک شہر کے ہزاروں بچے اس کی عظمت کے گیت گاتے ہوئے آگے بڑھے "یہ کیسا شور ہے"؟ تیمور نے پوچھا۔ جب تیمور کو حالات سے آگاہ کیا گیا تو اس کے حکم سے بچوں کو گھوڑوں کے پاؤں تلے روند دیا گیا۔ تیمور نے ایشیائے کوچک کی بہت سی ان ریاستوں کو پھر سے زندہ کیا جن پر عثمانیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ایشیائے کوچک سے تیمور نے سمرقند کی راہ لی۔ وہ چین پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن موت نے اُسے آن دبایا۔

تیمور کے حملے نے عارضی طور پر عثمانیوں کی سلطنت کو مٹا دیا لیکن تاتاری ایشیائے کوچک میں اپنا اثر چھوڑے بغیر تاریخ کے اوراق سے بہت جلد غائب ہو گئے۔ بایزید کی موت کے بعد یوں معلوم ہوتا تھا گویا عثمانی سلطنت ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی ہے۔ ایشیائے کوچک میں تیمور کئی ایک چھوٹی چھوٹی جاگیری ریاستیں قائم کر چکا تھا۔ ایشیائے کوچک کے بغیر عثمانیوں کے یورپی مقبوضات زیادہ دیر تک ان کے قبضے میں نہیں رہ سکتے تھے۔ لیکن عثمانی نہ صرف تیمور کے حملے کے بعد بچ نکلے۔ بلکہ انہوں نے فتوحات کی ایک نئی مہم شروع کر دی۔ بایزید کے چھ بیٹوں میں سے پانچ انگورہ کی لڑائی میں شریک تھے۔ مصطفےٰ لڑائی میں مارا گیا۔ موسیٰ اپنے باپ کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا تھا۔ سلیمان، عیسیٰ اور محمد انگورہ کی لڑائی سے بچ نکلے تھے۔ سلیمان ایڈریانوپل بھاگ گیا۔

وزیرِ اعظم علی اور جاں نثاروں کا سردار آغا حسن بھی اس کے ساتھ تھے۔ بایزید کی موت کے بعد سلیمان نے سلطنت کے یورپی مقبوضات پر قابض ہو کر اپنی سلطانی کا اعلان کر دیا۔ عیسیٰ نے بروصہ میں اپنے باپ کے جانشین ہونے کا دعویٰ کیا۔ بایزید کا سب سے چھوٹا بیٹا محمد ایشیائے کوچک کے شمال مشرق میں چلا گیا۔ تیمور سے رہائی حاصل کرنے کے بعد تخت کا چوتھا دعویدار موسیٰ بھی آن پہنچا۔ چاروں بھائیوں میں سلطنت کے لیے کئی ایک معرکے ہوئے۔ جب موسیٰ نے ایڈریانوپل سے بڑھ کر قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تو بازنطینی شہنشاہ نے محمد کو امداد کے لیے پکارا۔ ایک عثمانی شہزادہ قسطنطنیہ پر حملہ کر رہا تھا اور دوسرے شہزادے کے ترک سپاہی بازنطینی شہنشاہ کے لیے قسطنطنیہ کی حفاظت کر رہے تھے۔ موسیٰ نے محاصرہ اٹھا لیا۔ شہزادہ محمد نے اس کا پیچھا کیا۔ موسیٰ کے ساتھیوں نے بغاوت کر دی۔ وہ بے یار و مددگار تھا۔ اس سے پہلے سلیمان اور عیسیٰ موسیٰ اور محمد سے شکست کھا چکے تھے۔ موسیٰ کی شکست کے بعد محمد عثمانی سلطنت پر قابض ہو گیا۔ تخت کا کوئی دعوے دار باقی نہیں تھا۔ محمد کا عہدِ حکومت (۱۴۱۳ء-۱۴۲۱ء) پر امن تھا۔ اس نے سرویا، ولیشیا اور البانیہ کے حکمرانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کیے۔ اس نے بازنطینی شہنشاہ کے ساتھ ایک دفاعی معاہدہ کیا اور کئی ایک شہروں کو اس کے حوالے کر دیا۔ اس کی سرپرستی نے عثمانیوں میں شعر و شاعری کا ذوق پیدا کیا۔

مراد دوم (۱۴۲۱ - ۱۴۵۱) کے عہدِ حکومت میں عثمانیوں نے ایشیائے کوچک کی بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے علاوہ سرویا، بوسینا، سالونیکا اور موریا کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ ولیشیا ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ مراد نے تیس سال کے دورِ حکومت میں دو بار اپنے آپ کو آرام اور راحت کے حوالے کرنے کے لیے تاج و تخت سے کنارہ کشی کی، لیکن حالات نے دونوں بار اسے تخت سنبھالنے پر مجبور کر دیا۔ مراد دوم ابھی تخت پر بیٹھا ہی تھا کہ بازنطینی شہنشاہ نے

ایک شخص کو بایزید کا بیٹا مصطفےٰ ظاہر کر کے اسے عثمانی تخت کا دعویدار بنادیا۔ مراد دوم نے مصطفےٰ کو لڑائی میں پکڑ کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب مراد نے بازنطینی شہنشاہ سے انتقام لینے کے لیے قسطنطنیہ کو فتح کرنا چاہا۔ مراد نے پہلی مرتبہ اس شہر کے محاصرے میں توپ کو استعمال کیا۔ اسی محاصرے کے دوران مراد کے چھوٹے بھائی نے ایشیائے کوچک میں سلطانی کا دعوےٰ کر دیا۔ محاصرہ اٹھانا پڑا۔ اس نئے دعویدار کو بھی لڑائی میں پکڑ کر قتل کروادیا گیا۔ چند سال تک مراد ایشیائے کوچک کی بغاوت فرو کرنے، بازنطینی شہنشاہ کو اپنا باجگزار بنانے اور سالونیکا پر قبضہ کرنے میں مصروف رہا اسی اثنا میں ہنگری اور عثمانیوں میں تصادم ہونے لگا۔ ہنگری کی فوجوں کے کمان دار ہنیادی نے پہلے دو معرکوں میں عثمانیوں کو شکست دی۔ ان لڑائیوں میں جو بیس سال تک ہوتی رہیں کم و بیش ایک ہی نسل کی دو مختلف شاخیں ایک دوسرے سے ٹکراتی رہیں۔ ہنیادی کی اس کامیابی سے متاثر ہو کر ہنگری نے پولینڈ، ویلشیا، بوسینا، سرویا، وینس اور جینوآ کو متحد کر کے پوپ سے عثمانیوں کے خلاف ایک صلیبی لڑائی کا اعلان کروادیا۔ اتحادی فوج نے ۱۴۴۳ء میں ڈینیوب کو پار کیا۔ تین لڑائیوں میں ترکوں کو شکست دینے کے بعد ایڈریانوپل پر چڑھائی کرنے کی جگہ ہنیادی اچانک لوٹ گیا۔ مراد اور اتحادیوں میں دس سال کے لیے لڑائی نہ کرنے کا ایک معاہدہ ہوگیا۔ معاہدے کی شرطیں طے پا رہی تھیں کہ مراد نے اپنے بیٹے کے حق میں تخت سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ مراد نے اپنے باپ کو عیش و عشرت کے حوالے کر دیا۔ محمد دوم کی سلطانی کا اعلان ہوگیا۔ جب ہنگری والوں کو اس تبدیلی کا پتہ چلا تو ہنگری کی اسمبلی نے کارڈینل جولیئن اور پوپ کی رضامندی سے معاہدے کو توڑ دینا چاہا۔ معاہدہ توڑ دیا گیا۔ ہنگری کا بادشاہ لیڈس لاس ترکوں سے لڑنے کی تیاری کرنے لگا۔ ہنیادی نے بادشاہ کی مخالفت کی، لیکن جب اس سے بلغاریہ کے تخت کا وعدہ کیا گیا تو یہ سورما بھی عہد

شکنی پر اتر آیا۔ عثمانیوں نے مراد کو پکارا۔ مراد آن پہنچا۔ اس نے تخت کو پھر سنبھال لیا۔ ورنہ کے قریب مراد نے لیڈیس لاس کو شکست دی۔ لیڈی لاس اور کارڈینل جولیتین لڑائی میں مارے گئے۔ ہنیادی نے بڑی مشکل سے جان بچائی۔ فتح پانے کے بعد مراد نے دوسری مرتبہ تخت سے علیحدگی اختیار کر لی، لیکن جان نثاروں کی بغاوت نے مراد کے لمحات رنگین کو بے کیف کر دیا۔ مراد کو پھر بلایا گیا۔ مراد آن پہنچا اس نے تخت کو سنبھال لیا۔ جان نثاروں کی بغاوت پر قابو پانے کے بعد مراد اپنی موت تک حکومت کرتا رہا۔ یہ مدت لڑنے ہی میں صرف ہوئی۔ اس نے کوسوا کی لڑائی میں ہنگری، سرویا اور بوسینا کی اتحادی فوجوں کو جو ہنیادی کی کمان میں لڑ رہی تھیں شکست دے کر سرویا کو عثمانی سلطنت میں شامل کیا اور بوسینا کو ایک باج گزار ریاست بنا دیا۔ البانیہ کو فتح کرنے کی مراد پوری نہ ہو سکی۔

محمد فاتح

مراد دوم کا بیٹا اور جانشین محمد دوم (۱۴۵۱ - ۱۴۸۱) عثمانیوں کی تاریخ میں محمد فاتح ایک بہادر سپاہی کامیاب جرنیل اور بہترین مدبر کہلاتا ہے وہ پانچ زبانوں میں بات چیت کر سکتا تھا۔ اس سے پہلے عثمانی سلطان اپنے وزیروں سے مشورہ کیے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے، لیکن نیا سلطان من مانی کرتا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی قسطنطنیہ کو فتح کرنا چاہا۔ سلطان کو اس اقدام میں پوری پوری کامیابی ہوئی۔ ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ عثمانیوں کے قبضے میں تھا۔ محمد فاتح نے اپنے عہد حکومت میں عثمانی سلطنت کی حدود کو ایشیا اور یورپ میں بڑھایا۔ بوسینا اور موریا کو عثمانی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ ولیشیا اور کریمیا باجگزار بن گئے۔ کرمانیہ کے آخری سلجوقی حکمران کو قتل کروا دیا گیا۔ بحر اسود کے کئی ساحلی شہر سلطان کے قبضے میں آئے۔ جزائر یونان میں سے کئی جزیرے فتح ہوئے۔ وینس کی جمہوریت سلطان سے معاہدہ کرنے پر مجبور ہوئی۔ سلطان کے کارناموں کی فہرست میں دو ناکامیاں درج ہیں۔ قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کے

بعد سلطان نے بلگریڈ پر قبضہ کر کے مغربی یورپ پر حملہ بولنے کے لیے راستہ صاف کرنا چاہا۔ پوپ نے پھر صلیبی لڑائی کا اعلان کر دیا۔ اس نئے لشکر کی کمان ہنیادی کر رہا تھا۔ محمد فاتح نے اگرچہ بلگریڈ کے ایک حصّے پر قبضہ کر لیا تھا لیکن وہ بہت جلد شہر کا محاصرہ اُٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ ۱۴۸۰ء میں اس کا ایک جرنیل جزیرہ روڈس فتح کرنے میں ناکام رہا۔ محمّد فاتح نے ایڈریانوپل کی جگہ قسطنطنیہ کو اپنی راجدھانی بنانے کے بعد دردِّ انیال کے دونوں طرف قلعہ بندیاں کیں۔ اس نے ترکی بیڑے کو بحرِ روم کا سب سے مضبوط بیڑا بنا دیا۔ اس نے اپنی سلطنت کے بڑے بڑے شہروں میں مسجدیں، سکول، کالج اور ہسپتال قائم کیے۔

بایزید

محمّد فاتح کا بڑا بیٹا بایزید اپنے باپ کا جانشین بنا۔ بایزید دوم (۱۴۸۱۔۱۵۱۲) کا عہدِ حکومت سابق عثمانی سلاطین کی طویل لڑائیوں سے نسبتاً خالی ہے۔ بایزید کو ہنگری، وینس اور مصر سے لڑنا پڑا۔ ہنگری اور عثمانیوں میں صلح ہو گئی۔ بایزید دوم نے وینس کی جمہوریّت سے موریا کے دو اور شہر چھین لیے۔ ایشیائے کوچک میں تین قلعوں کو مصر کے حوالے کرنے کے بعد بایزید اور مملوکوں میں سمجھوتہ ہو گیا۔ بایزید دوم ایک پاک باز انسان تھا۔ اسے ادب اور فلسفہ سے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ ترکی ادبیات میں وُہ اپنے چھوٹے بھائی جَم سے کم درجے کا شاعر مانا جاتا ہے۔ جَم کی شاعری ادب میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی زندگی ترک ادیبوں کا ایک مقبول موضوع ہے بایزید دوم نے ہرزیگووینا کو عثمانی سلطنت میں شامل کیا۔ بایزید کے عہدِ حکومت کے آخری دو سالوں کی تاریخ اس کے بیٹے سلیم کی بغاوتوں کی داستان ہے۔ سلیم اپنی فوج سمیت قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ جاں نثار سلطان بایزید دوم کی غیر جارحانہ زندگی سے تنگ آ چکے تھے۔ لیکن اس پر انہوں نے سلیم کو شکست دے کر کریمیا بھگا دیا۔ سلیم نے فوج جمع کر کے قسطنطنیہ پر دھاوا بول دیا۔ جاں نثار اس کے ساتھ ہو لیے۔ بایزید کو

اپنے بیٹے سلیم کے حق میں تخت سے دست بردار ہونا پڑا۔ بایزید دوم کے عہدِ حکومت میں روس اور ترکی میں سفارتی تعلقات قائم ہوئے۔ روس کے زار آئی وان سوم نے بایزید کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا۔

سلیم سلیم نے اپنے آٹھ سال (۱۵۱۲-۱۵۲۰) کے دورِ حکومت میں عثمانی سلطنت کو دگنا کر دیا۔ اس نے کردستان کو ایران سے اور مصر کے مملوکوں سے مصر، شام، اور عرب کے ایک حصے کو چھین کر عثمانی سلطنت کی حدود کو وسیع کیا۔ مصر میں مملوکوں کو شکست دینے کے بعد سلیم نے قاہرہ کے عباسی خلیفہ کے اقتدار کو مٹا کر اپنے لیے خلیفہ کا لقب اختیار کیا۔

سلیمان سلیم کے بیٹے اور جانشین سلیمان کے دورِ حکومت (۱۵۲۰-۱۵۶۶) میں عثمانیوں کی سلطنت اپنے عروج پر تھی۔ سلیمان فوجی قابلیت، عملی صلاحیت اور ذاتی شجاعت میں یکساں نمایاں حیثیت کا مالک ہے۔ نظم ونسق اور قانون سازی میں اسے مہارت حاصل تھی۔ اس کے میزان عدل میں مخالف اور موافق عقائد میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اس نے بھی اپنے پیشرو عثمانی سلاطین کی طرح تخت کے امکانی دعویداروں کو موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ سلیمان نے اپنے دو بیٹوں کو اس لیے قتل کروا دیا کہ اس کے خیال میں وہ عثمانی تخت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ سلیم اپنے وزیروں کو اس بے دردی سے قتل کرواتا تھا کہ بددعا کے لیے یہ الفاظ "خدا کرے کہ تم سلیمان سلیم کے وزیر بن جاؤ" کافی سمجھے جاتے تھے۔ سلیمان کے نو وزیروں میں سے کسی کو قتل ہونا پڑا۔ سلیمان نے بلگریڈ، روڈیس، ہنگری، کریمیا، موصل، بغداد، بصرہ، آرمینیا کچھ حصہ یمن، الجیریا اور طرابلس (موجودہ لیبیا) کو عثمانی سلطنت میں شامل کیا۔

فرانس کے بادشاہ فرانسس اول نے چارلس پنجم کی فاتحانہ سکیم سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے سلیمان کو ہنگری پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ ترک پہلی مرتبہ

یورپ کی سیاست میں حصہ لیتے ہیں۔ ہنگری اور بوہیمیا کے تاج لوئی دوم کی ذات میں متحد ہو چکے تھے۔ بلگریڈ اور بودا کے درمیان ترکوں اور ہنگریوں میں لڑائی ہوئی۔ لوئی اپنے بہت سے سرداروں سمیت لڑائی میں مارا گیا۔ بودا پہنچ کر سلیمان نے کاؤنٹ زپولیا کو ہنگری کے تخت پر بٹھایا۔ زپولیا کی تخت نشینی سے ہنگری میں خانہ جنگی ہونے لگی۔ چارلس پنجم کے بھائی آرک ڈیوک فرڈیننڈ نے ہنگری کے تخت کا دعویٰ کیا۔ مغربی ہنگری کے سرداروں نے ایک اجلاس میں فرڈیننڈ کو ہنگری کا بادشاہ چن لیا۔ فرڈیننڈ نے زپولیا کو شکست دے کر اسے پولینڈ کی طرف بھگا دیا۔ زپولیا نے سلطان سے مدد مانگی۔ فرڈیننڈ نے بھی اپنا ایلچی سلطان کے پاس بھیج دیا۔ سلطان نے زپولیا کی مدد کے لیے ۱۵۲۹ء میں ایک نئی مہم جاری کر دی۔ سلطان نے ایک مرتبہ پھر بودا پر قبضہ کر لیا۔ زپولیا کو مفتوحہ ہنگری کا بادشاہ بنانے کے بعد سلیمان نے وائینا کا رخ کیا۔ اس وقت شہنشاہ چارلس پنجم اٹلی میں فرانس کے خلاف لڑ رہا تھا۔ وائینا کو بچانے کے لیے وہ کوئی فوج نہ بھیج سکا۔ سلیمان نے تین ہفتوں تک وائینا کا محاصرہ کرنے کے بعد واپسی کا سفر اختیار کیا۔ تین سال بعد سلیمان نے وائینا پر چڑھائی کرنے کے لیے ہنگری پر پھر حملہ کیا۔ اس مرتبہ آسٹریا کی فوج کی کمان چارلس نے خود سنبھالی۔ عام خیال یہ تھا کہ دونوں شہنشاہوں میں ایک فیصلہ کن لڑائی ہو گی، لیکن گنز کے قلعہ کے محافظوں نے سلیمان کے پروگرام میں تاخیر کر دی۔ گنز پر قبضہ کرنے کے بعد سلیمان نے وائینا پر چڑھائی کرنے کی جگہ اپنی فوج کو واپس ہونے کا حکم دیا۔ چارلس نے بھی لڑنے سے گریز کیا۔ سلطان اور شہنشاہ میں مقابلہ نہ ہو سکا۔ سلطان کی واپسی کے بعد زپولیا اور فرڈیننڈ میں لڑائی شروع ہو گئی۔ ۱۵۳۸ء میں دونوں میں سمجھوتہ ہو گیا۔ زپولیا کو مشرقی ہنگری اور فرڈیننڈ کو مغربی ہنگری کا بادشاہ مان لیا گیا۔ اس معاہدے کے اٹھائیس سال بعد جب سلیمان کو مالٹا کی مہم میں ناکامی ہوئی تو بہتر برس کا بوڑھا

سلطان ہنگری پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ عثمانی فوج نے زگیتھ کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ سلیمان کا وقت پورا ہو گیا۔ سلطان کے وزیر اعظم نے شہر کے فتح ہونے تک سلطان کی موت کی خبر کو چھپائے رکھا۔

سلیم نے ترکی بیڑے کو مضبوط کرنے کی طرف توجہ دی تھی۔ سلیمان نے بھی اس کام کو جاری رکھا۔ سلیمان کے بیڑے کے امیر اور کپتان اس دور کے ان سمندری مہم پردازوں کا خاک بھی مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ جنہوں نے بحرِ روم کے ساحلوں پر اپنے اڈے قائم کر رکھے تھے۔ ہسپانیہ، اٹلی، فرانس اور کبھی کبھی انگلستان اور انرستان کے ساحلی شہروں پر ان کے حملے ہوتے رہتے تھے۔ سلیمان نے ان سمندری مہم پردازوں کی دلیری اور مہارت سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان پر ترکی بحریہ کے بڑے بڑے عہدوں کے دروازے کھول دیے۔ سب سے پہلے خیر الدین باربروصہ نے سلطان کی دعوت قبول کی۔ خیر الدین باربروصہ کئی سال تک بحیرۂ روم کی موجوں کا مالک رہ چکا تھا۔ بحیرۂ روم کے ملکوں میں سے کسی ملک کا تجارتی جہاز اس کی منظوری کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ستر ہزار پناہ گزین عربوں کو ہسپانیہ سے نکال کر الجیریا میں لبسایا تھا۔ سلیمان نے خیر الدین کو تونس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ خیر الدین نے تونس کے اس سلطان کو شکست دی جس نے اپنے حرم میں ناپاک، شرمناک اور ناپسند افعال جاری کر رکھے تھے۔ سلطان تونس نے شہنشاہ چارلس سے امداد مانگی۔ شہنشاہ نے تونس کی دیواروں کے سامنے خیر الدین کو ایک سمندری لڑائی میں شکست دے کر سلطان کے شہر کو دل کھول کر لوٹا۔ تیس ہزار تونسی قتل کیے گئے۔ دس ہزار کو غلام بنا کر فروخت کیا گیا۔ مسجدوں اور دوسری بڑی بڑی عمارتوں کو جلا دیا گیا۔ عثمانیوں کی بڑی سے بڑی فوج نے بھی کسی شہر میں اتنی تباہی نہیں مچائی ہوگی۔ جتنی شہنشاہ چارلس کے سپاہیوں نے تونس میں مچائی۔ تونس کے سلطان کو

اپنی سلطانی قائم رکھنے کے لیے کتنی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی۔ سلیمان چونکہ ان دنوں ایران میں لڑ رہا تھا۔ اس لیے وُہ باربروصہ کو کمک نہ بھیج سکا۔ تونس کی لڑائی کے تھوڑی دیر بعد جب عثمانیوں اور ہسپانیہ میں لڑائی چھڑی تو سلطان نے خیرالدین کو قسطنطنیہ بلا کر اُسے ترکی بیڑے کا امیر بنا دیا۔ ۱۵۳۸ء میں اس نے ہسپانیہ، وینس اور پوپ کے اتحادی بیڑے کو شکست دی۔ وینس کے سمندری بیڑے کو کئی بار شکست دے کر بحیرہ ایجین کے کئی جزیروں پر قبضہ کیا۔ باربروصہ نے ۱۵۴۶ء میں قسطنطنیہ میں وفات پائی۔ باربروصہ کی طرح ترغوت اور پیالے بھی ترکی بحریہ میں شامل ہو گئے تھے۔ ترغوت نے سلطان سلیمان کے لیے طرابلس (لیبیا) فتح کیا۔ اٹلی اور ہسپانیہ کے ساحلی شہروں کے لیے ترغوت کا نام ہوّا بنا ہوُا تھا۔ ۱۵۶۵ء میں وُہ مالٹا کی لڑائی میں مارا گیا۔ پیالے نے ہسپانیہ، وینس اور پوپ کے اس اتحادی بیڑے کو شکست دی جو طرابلس پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے آگے بڑھا تھا۔ اس نے سلیمان کے لیے اوران کو فتح کیا۔ پیالے سلیمان کے اس بیڑے کا کمانڈر تھا جس نے ۱۵۶۵ء میں مالٹا پر حملہ کیا۔ سلیمان کی سمندری سرگرمیاں صرف بحیرۂ روم تک ہی محدود نہیں تھیں بلکہ اس نے پیری پاشا کی کمان میں سویز میں ایک بیڑا رکھا۔ اس بیڑے نے بحیرۂ احمر پر ترکی تسلط جما دیا۔ عثمانیوں نے یمن اور عدن پر قبضہ کر کے خلیج فارس اور ساحل ہند کا رُخ کیا جہاں پر پرتگالیوں نے انہیں شکست دی۔

سلطان سلیمان کا عہدِ حکومت صرف کامیاب جنگوں ہی سے عبارت نہیں۔ اس نے اپنی پالیسی کا اثر نظم و نسق کے مختلف شعبوں پر چھوڑا۔ رشوت لینے والے عدل سے گریز کرنے والے افسروں کے لیے موت کی سزا عام تھی۔ سلیمان اعظم کا عدل ترک ادیبوں اور شاعروں کی ایک بڑی تعداد کا مقبول موضوع ہے۔ اتنی لڑائیوں

کے باوجود سلیمان کو صرف دو سال کے لیے زائچہ عمل کی ضرورت پڑی۔ بہت سے ترک سلاطین کی طرح سلیمان کو بھی ادبیات سے ذوق تھا۔ اس کے اشعار کو کافی مقبولیت حاصل ہے۔ اس نے اپنی مہموں کا ایک روزنامچہ مرتب کیا۔ علوم و فنون کی تربیت کے ضمن میں اس کا نام کافی مشہور ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کے بڑے بڑے شہروں میں بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں۔ اس کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ترکی میں اسے 'قانون ساز' اور یورپ میں اسے عالی شان کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اس نے اگرچہ جاگیری نظام کو برقرار رکھا لیکن اس کے زرعی قوانین نے ترکی کے کسانوں کی حالت کو یورپی کسانوں کی حالت سے بہتر بنا دیا تھا۔ موریا کے یونانی عوام نے ونیس کی غلامی پر عثمانی حکومت کو ترجیح دی۔ ہنگری کے کسانوں کی ایک بہت بڑی جماعت ہنگری چھوڑ کر ترکی سلطنت کے صوبے رومیلیا میں آباد ہو گئی۔ بیس مختلف قوموں پر مشتمل عثمانی سلطنت کے کسی حصے میں بھی سلیمان کے عہد حکومت میں کسی قسم کی بغاوت کا نہ ہونا اس کی انتظامی صلاحیت کا ثبوت ہے۔

سلیمان ہی کے عہدِ حکومت میں عثمانی سلطنت کے زوال کے اسباب پیدا ہو چکے تھے۔ دیوان (کونسل آف سٹیٹ) کے اجلاس میں سلیمان شریک نہیں ہوتا تھا۔ وہ ایک پردے کے پیچھے بیٹھ کر دیوان کی کارروائی سنتا۔ سلیمان کا شخصی اقتدار بڑھ گیا لیکن اس کے جانشین اس اقتدار کے بوجھ کو نہ سنبھال سکے۔ سلیمان ہی کے عہد حکومت میں حرم کا سیاست میں بہت زیادہ دخل ہونے لگا۔ اس رسم نے آگے چل کر عثمانی حکومت میں بہت سی پیچیدگیاں پیدا کر دیں ہر وزیر کیلئے حرم کی خوشنودی حاصل کرنا ضروری ہو گیا۔ حرم سازشوں کا مرکز بن گیا۔ سلیمان نے اپنی روسی بیوی خورم کے ایما پر اپنے بڑے بیٹے کو قتل کر کے عثمانی سلطنت کے مستقبل کو خراب کر دیا۔ خورم کا بیٹا سلیم۔ سلیمان کا جانشین بن گیا۔

عالی شان اور قانون ساز سلیمان کا بیٹا عثمانیوں کی تاریخ میں سلیم شرابی کہلاتا ہے۔ اس نے حکومت کے کام کاج سے الگ ہو کر اپنے آپ کو شراب اور دوسری عشرتوں کے حوالے کر دیا۔ بہت سے درباری بھی اس کے ساتھ ہو لیے۔ شراب کے گیت گاتے جانے لگے۔ سلیم کا وزیر اعظم سکولی سلطان اور اس کے بعض درباریوں کی عشرت پسندیوں اور بدمستیوں سے دور رہ کر سلطنت کے بچاؤ میں مصروف ہو گیا۔ سکولی کے پیش نظر دو بڑی بڑی سکیمیں تھیں۔ وہ چاہتا تھا کہ سویز میں ایک نہر کھدوا کر ترکی بیڑے کے لیے بحرہ احمر اور بحر ہند میں جلدی پہنچ جانے کا راستہ نکالنا چاہتا تھا۔ وزیر اعظم سکولی کی دوسری سکیم یہ تھی کہ ڈان اور والگا کو اس جگہ پر نہر کے ذریعہ ملا دیا جائے جہاں ان دریاؤں میں تیس میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ دوسری تجویز کو عملی صورت دینے کے لیے ضروری تھا کہ استرخان پر قبضہ کیا جائے۔ روسیوں اور عثمانیوں میں پہلی بار لڑائی ہوئی۔ عثمانی سلطنت کو شکست ہوئی۔ یمن کی بغاوت نے سکولی کو پہلی تجویز ترک کرنے پر مجبور کر دیا۔ سنان پاشا نے یمن کی بغاوت پر قابو پا لیا۔ سکولی نے تونس کو ہسپانویوں سے واپس لے لیا۔ ۱۵۷۰ء میں سکولی نے جزیرہ قبرص کو عثمانی سلطنت میں شامل کیا، ہسپانیہ، وینس اور پوپ نے مل کر ترکوں کی بڑھتی ہوئی سمندری فتوحات کی روک تھام کے لیے ایک بیڑا تیار کیا۔ خلیج لیپانتو میں عثمانی اور اتحادی بیڑے میں تصادم ہوا۔ آسٹریا کا ڈان جون اتحادی بیڑے کا کمانڈر تھا۔ اس سمندری لڑائی میں عثمانیوں کا تقریباً سارا بیڑا تباہ ہو گیا۔ وزیر اعظم سکولی کی کوششوں سے بہت تھوڑی مدت میں ایک مضبوط بیڑا تیار ہو گیا۔ وینس نے باب عالی سے صلح کر لی۔ اس صلح کے بعد ڈان جون نے اکتوبر ۱۵۷۳ء میں تونس پر قبضہ کر لیا۔ اگلے سال عثمانی بیڑے نے پھر تونس پر قبضہ کر لیا۔

سلیم کی موت (۱۵۷۴ء) کے بعد اس کا بیٹا مراد سوم تخت پر بیٹھا۔ اپنے باپ

کی طرح وُہ بھی نکمّا تھا۔ سکولی نے ایران کے ساتھ جو لڑائی چھیڑی تھی وُہ اس کی موت کے بعد بھی جاری رہی۔ مراد سوم کے عہدِ حکومت کے چوتھے سال میں وزیرِ اعظم سکولی حرم کی سازش کا شکار ہو کر قتل ہوا۔ مراد سوم صرف حرم کی زندگی سے واقف تھا۔ اس کے ایک سو تیرہ بچوں میں سے سینتالیس اس کی موت کے وقت (۱۵۹۵) زندہ تھے۔
سلطان محمد سوم آٹھ سال تک حرم ہی میں پڑا رہا۔ اس کا جانشین سلطان احمد بھی چودہ سال تک اسی طرح مصروف رہا۔ سلطان احمد کی موت (۱۶۱۷) کے بعد حرم کی سازش جسے چاہتی تخت دلواتی۔ سلطنت کی حدود میں کمی ہوتی چلی جا رہی تھی عثمانی سلطنت مٹ رہی تھی کہ کیپرلی وزیروں نے اسے بچا لیا۔ ۱۶۵۶ء سے ۱۷۰۲ء تک کے سلطانوں کی تاریخ کیپرلی وزارت کی تاریخ ہے!
محمد کیپرلی کی وزارت (۱۶۵۶ - ۱۶۶۱) کے بعد اس کا بیٹا احمد کیپرلی عثمانی سلطنت کا وزیرِ اعظم مقرر ہُوا۔ احمد کیپرلی نے اگرچہ عثمانی سلطنت میں چند ایک علاقوں کا اضافہ کیا لیکن اس نے ۱۶۶۴ء میں آسٹریا سے شکست کھائی جب سوبسکی نے یوکرائین پر حملہ کیا تو یوکرائنی ٹاسکوں نے احمد کیپرلی سے مدد مانگی۔ کیپرلی نے ان کی مدد کی۔ ترکوں اور پولوں میں چار سال تک لڑائی ہوتی رہی۔ سوبسکی نے کیپرلی کو کئی لڑائیوں میں شکست دی۔ آخری لڑائی میں ابراہیم پاشا نے سوبسکی کو جو اس وقت تک پولینڈ کا بادشاہ بن چکا تھا شکست دی۔ احمد کیپرلی کی موت (۱۶۷۶) کے بعد یہ خیال کیا جاتا تھا کہ سلطان اس کے بھتیجے زادے مصطفیٰ کو وزیرِ اعظم مقرر کرے گا، لیکن سلطان محمد چہارم نے اپنے داماد قرا مصطفیٰ کو وزیرِ اعظم بنا دیا۔ قرا مصطفیٰ کو پولوں اور روسیوں نے شکست دی۔ جب ۱۶۸۲ء میں ہنگری کے اس علاقے نے بغاوت کی جو شہنشاہ لیوپولڈ کے ماتحت تھا تو قرا مصطفیٰ نے اُسے آسٹریا پر حملہ کرنے کے لیے اچھا موقع خیال کیا۔ دو لاکھ سپاہیوں کے ساتھ قرا مصطفیٰ وائینا کی دیوار ول

تک جا پہنچا۔ شہنشاہ لیوپولڈ نے پولینڈ کے بادشاہ سوبسکی سے مدد مانگی۔ پولینڈ سے امداد پہنچنے سے پہلے لیوپولڈ بویریا بھاگ گیا۔ اسی اثنا میں سوبسکی اپنی فوج سمیت پہنچ گیا۔ سوبسکی نے وائینا کی دیواروں تلے ترکوں کو شکست دی۔ جب قرہ مصطفےٰ بلگریڈ پہنچا تو سلطان کے حکم سے قتل کروا دیا گیا۔ عثمانیوں کی فتوحات رک گئیں۔ جارحانہ لڑائیوں کی جگہ مدافعانہ لڑائیوں کا دور شروع ہو گیا۔ پوپ نے ترکوں کے خلاف ایک نئی صلیبی لڑائی کا اعلان کر دیا۔ اتحادیوں نے کئی لڑائیوں میں ترکوں کو شکست دی۔ اسی اثنا میں مصطفےٰ کپریلی نے سلطان محمد چہارم کو تخت سے علیحدہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ سلطان محمد کے چھوٹے بھائی سلیمان کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ تیرہ سال بعد کپریلی خاندان نے پھر وزارت پر قبضہ کر لیا۔ (۱۶۸۹) آسٹریا کی فوج ڈینیوب پار کر کے مقدونیہ میں داخل ہو چکی تھی۔ ترکوں نے اسے دو لڑائیوں میں شکست دی۔ ڈینیوب کے جنوبی علاقوں پر عثمانیوں کا پھر قبضہ ہو گیا۔ مصطفےٰ کپریلی نے بلغاریہ میں بڑھ کر آسٹریا کی فوج کو شکست دی۔ کپریلی ۱۶۹۱ء میں آسٹریا کی فوج سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ سلطان سلیمان اور سلطان احمد دوم کی موت کے بعد سلطان مصطفےٰ دوم تخت پر بیٹھ چکا تھا۔ نئے سلطان نے فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ اس نے تمسوار کی لڑائی میں آسٹریا کو شکست دی۔ اگلے سال ۱۶۹۷ء میں سلطان نے ہنگری پر چڑھائی کی۔ زینتا کی لڑائی کے دوران میں جانثاروں نے بغاوت کر دی۔ عثمانی فوج کو شکست ہوئی۔ تمسوار اور بلگریڈ سے ہوتا ہوا سلطان قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ پرنس یوجین نے آگے بڑھ کر بوسنیا کے بہت سے حصے پر قبضہ کر لیا۔ چودہ سال سے آسٹریا اور ترکوں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ آخری معرکے آسٹریا کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اب سلطان نے حسین کپریلی کو اپنا وزیر اعظم بنایا۔ ۱۶۹۸ء میں برطانیہ کے سفیر نے ترکی اور آسٹریا میں اس شرط پر سمجھوتہ کرانا چاہا کہ آسٹریا، وینس اور پولینڈ نے عثمانیوں سے جو علاقے چھینے ہیں وہ ان کے پاس رہیں۔ حسین کپریلی نے دیوان کا اجلاس بلا کر سمجھوتے کے لیے برطانیہ اور ہالینڈ

کی وساطت کو منوا لیا۔ زار پیٹر نے اعتراض کرتے ہوئے آسٹریا، وینس اور پولینڈ کو آگاہ کیا کہ وہ برطانیہ اور ہالینڈ پر اعتماد نہ کریں۔ کیونکہ ان دونوں کے پیش نظر اپنا اپنا تجارتی مفاد ہے اس کے باوجود صلح کانفرنس ہوئی جس میں روس سمیت یہ سارے ملک شریک ہوئے۔ کارلوز کانفرنس میں برطانوی سفیر کی تجویزوں کو مان لیا گیا۔ وینس، آسٹریا اور پولینڈ نے ترکی کے ساتھ پچیس سال کے لیے دوستی کا معاہدہ کر لیا۔ زار پیٹر نے عثمانیوں کے ساتھ صرف دو سال کے لیے دوستی کا معاہدہ کیا۔

یورپ کی تاریخ میں معاہدہ کارلوز کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس معاہدے نے ثابت کر دیا کہ عثمانی سلطنت سارے یورپ کا مسئلہ ہے۔ اس معاہدے نے وینس، آسٹریا، پولینڈ اور روس کو عثمانی سلطنت کے برابر درجہ دے دیا۔ وسطی یورپ پر ترکوں کے حملے کا کوئی خطرہ نہ رہا۔

چودھواں باب

سلاطین دہلی
۱۲۰۶ء تا ۱۵۲۶ء

پس منظر الپ تگین کی موت کے بعد اس کا بیٹا اسحاق غزنی کی ریاست کا حکمران بنا۔ الپ تگین کے ایک بااثر غلام سبکتگین نے بہت جلد اسحاق کو ہٹا کر غزنی پر قبضہ کر لیا۔ سبکتگین (۹۷۷ - ۹۹۷) اور جے پال کی مملکتوں کی سرحدیں ملتی تھیں، دونوں اپنی اپنی حدود کو پھیلانا چاہتے تھے۔ چنانچہ دونوں میں لڑائی یقینی تھی۔ جے پال نے غزنی پر حملہ کیا، لیکن شکست کھائی۔ شکست کے بعد اس نے خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ جے پال نے ایفائے عہد سے انکار کر دیا۔ اس پر سبکتگین نے آگے بڑھ کر کابل اور پشاور کے درمیانی علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اسی اثنا میں جے پال نے قنوج اور کالنجر کے حکمرانوں کو ساتھ ملا کر غزنوی سلطنت پر ہلہ بول دیا۔ سبکتگین نے اتحادیوں کو شکست دینے کے بعد پشاور پر قبضہ کر لیا۔ سبکتگین کو بہت جلد تاتاریوں کے خلاف سامانیوں کی مدد کو پہنچنا پڑا۔ پشاور پر سبکتگین کے قبضے نے غزنویوں کو ہندوستان کا راستہ دکھا دیا۔ سبکتگین کے جانشین محمود (۹۹۷ - ۱۰۳۰) نے اسی راہ سے ہندوستان پر بار بار حملے کیے۔ محمود کے جانشین علاؤالدین نے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ غزنویوں نے ایک نیا لاہور بسایا۔ انہوں نے لاہور میں

جدید علوم کے مدرسے جاری کیے۔ غزنویوں کے دور میں لاہور وسطی ایشیا کے مہذب ترین شہروں سے لگا کھاتا ہوگا۔ غزنویوں نے غزنی میں جدید فارسی کو فروغ دیا، لاہور میں انہوں نے ایک ایسی زبان کی بنیاد رکھی جس نے آگے چل کر اردو کی صورت اختیار کی۔ آج جب کہ اس خطہ کی تمام صوبائی زبانیں خوب ترقی کر رہی ہیں۔ اردو تمام صوباتی زبانوں سے زیادہ سمجھی، بولی، لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔

علاؤالدین حسین کی موت کے تھوڑی دیر بعد اس کا بیٹا اور جانشین ایک قاتل کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس پر غوری سرداروں نے علاؤالدین کے بھتیجے غیاث الدین کو تخت پر بٹھایا۔ غیاث الدین نے غزنی فتح کرنے کے بعد اسے اپنے بھائی شہاب الدین (محمد غوری) کے حوالے کر دیا۔ غیاث الدین نے اپنے باپ کی اپنی آبائی ریاست تک محدود رکھا، لیکن محمد غوری نے محمود غزنوی کی طرح ہندوستان کی طرف توجہ کی غوری نے سب سے پہلے ملتان اور سندھ کو فتح کیا۔ ۱۱۸۶ء میں اس نے پنجاب میں غزنویوں کی حکومت کو ختم کر کے لاہور پر قبضہ کیا۔ پانچ سال بعد وہ آگے بڑھا۔ اتحادی فوجوں نے پرتھوی راج کی کمان میں اسے تارین کی لڑائی میں شکست دی۔ اگلے سال اسی جگہ غوری اور اتحادیوں میں لڑائی ہوئی۔ اب کے غوری نے میدان مار لیا۔ اجمیر کو فتح کرنے کے بعد غوری واپس چلا گیا۔ اس کے ایک جرنیل قطب الدین ایبک نے دلی اور کوتل (علی گڑھ) کو فتح کیا۔ اگلے سال غوری نے قنوج اور بنارس پر قبضہ کر لیا۔ گوالیار، گجرات اور کالنجر کے فتح ہو جانے سے شمالی ہندوستان پر غوری کا قبضہ ہو گیا۔

سلاطین

جب تک محمد غوری زندہ رہا، قطب الدین ایبک غوری کے وائسرائے کی حیثیت سے غوری کے ہندوستانی مقبوضات پر حکومت کرتا رہا غوری کی موت کے بعد غور میں اس کے جانشین غیاث الدین محمود نے ایبک کو سلطان دہلی کا خطاب دیا۔ ایبک سے ابراہیم تک کے حکمران سلاطین دہلی کہلاتے ہیں سلاطین

کا یہ سلسلہ غلاماں، خلجی، تغلق، سید اور لودھی خاندانوں پر مشتمل ہے۔ ایبک پہلا آزاد سلطان تھا۔ وہ ایک بہادر سپاہی اور بہتر حکمران تھا۔ ایبک کے جانشین آرام نے ایبک کے غلام اور داماد التمش کے لیے جگہ خالی کر دی۔ التمش نے یلدوز اور قباچہ کو شکست دینے کے بعد بنگال کے حکمران کو مطیع کیا ہی تھا کہ چنگیزی لشکر جلال الدین کے تعاقب میں دریائے سندھ کے کناروں تک پہنچ گیا۔ تاتاری مغربی پنجاب کو لوٹنے کے بعد لوٹ گئے۔ تاتاریوں کے حملے نے التمش کے اقتدار کو مضبوط کر دیا کیونکہ تاتاریوں کی سرگرمیوں نے التمش کے دو مخالف سرداروں یلدوز اور قباچہ کو ختم کر دیا۔ التمش نے (۱۲۱۱ - ۱۲۳۶) گوالیار اور اجین کو فتح کر کے اپنی سلطنت کی حدود کو وندھیاچل تک پھیلا دیا۔ التمش کا بیٹا اور جانشین چونکہ نالائق تھا، اس لیے امرا نے التمش کی بیٹی رضیہ کو تخت پر بٹھایا۔ رضیہ نے اپنی بہادری اور صلاحیت کا ثبوت دیا۔ لیکن جب رضیہ نے ایک حبشی غلام کو سپہ سالار مقرر کیا تو ترک امیروں میں سے ایک نے بغاوت کر کے رضیہ کو قید کر لیا۔ رضیہ نے اسی ترک امیر التونیہ سے شادی کر لی۔ رضیہ اور التونیہ دلی کی طرف بڑھے لیکن ایک لڑائی میں شکست کھانے کے بعد رضیہ اور التونیہ دلی کے قریب دیہاتیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ دو نالائق شہزادوں کی چند روزہ حکومت کے بعد التمش کا بیٹا ناصر الدین محمود (۱۲۴۶ - ۱۲۶۶) تخت پر بیٹھا۔ ناصر الدین محمود کے عہد حکومت میں اس کا وزیر اعظم بلبن ہی کرتا دھرتا تھا۔ ناصر الدین محمود کا عہدِ حکومت عبارت ہے۔ بلبن کے کارناموں سے۔ بلبن نے تاتاری حملوں کی روک تھام کی۔ ناصر الدین نے اپنے وزیر اعظم بلبن کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ وزیر اعظم بلبن اگرچہ بوڑھا ہو چکا تھا، لیکن سلطان بلبن (۱۲۶۶ - ۱۲۸۶) نے تخت پر بیٹھتے ہی جواں ہمت ہونے کا ثبوت دیا۔ اس نے ایشیا کے ان شہزادوں کو دلی میں پناہ دی جنہیں تاتاریوں نے تاج و تخت سے محروم کر دیا تھا۔ بلبن نے تاتاری حملوں کی روک تھام کے لیے اپنی سرحدوں کو مضبوط کیا۔ اندرونی طور پر

اس نے صوبوں پر اپنے اقتدار کو کم نہ ہونے دیا۔ جب بنگال کے گورنر طغرل نے دلی کے کے خلاف بغاوت کی تو بوڑھا سلطان باغی گورنر کی سرکوبی کے لیے دلی سے نکل پڑا۔ اس نے طغرل کو شکست دے کر اس کے ساتھیوں پر بہت زیادہ سختی کی۔ بلبن نے تاتاری (منگول) حملوں کی روک تھام کا کام اپنے شہزادہ محمد کے سپرد کر رکھا تھا۔ جب شہزادہ تاتاریوں سے لڑتا ہوا مارا گیا تو بوڑھا باپ زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکا۔ بلبن کی موت کے بعد خاندان غلاماں زیادہ دیر تک سلطنت پر قابض نہ رہ سکا۔

جلال الدین کی تخت نشینی سے خلجی خاندان (۱۲۹۰-۱۳۲۰) کی حکومت شروع ہوتی ہے۔ جلال الدین خلجی کے عہد حکومت میں سلطان کے بھتیجے علاؤ الدین خلجی نے سلطان کی منظوری حاصل کیے بغیر برار، خاندیش اور دیوگری پر حملے کیے۔ علاؤ الدین سونے اور چاندی کے انباروں کو سمیٹتا ہوا الہ آباد کے قریب کارہ میں پہنچ گیا۔ علاؤ الدین نے سلطان کو بلا بھیجا۔ درباریوں نے علاؤ الدین کے ارادوں کو بھانپ لیا تھا، لیکن جلال الدین نے کسی کی نہ سنی۔ بوڑھا چچا محبت کے جذبات لیے ہوئے آگے بڑھا بھتیجا اپنے پہلو میں خنجر چھپائے ہوئے تھا۔ جلال الدین کا کام تمام کر دیا گیا۔ علاؤ الدین نے اپنے چچا کے خون کو دولت کے بوجھ تلے دبانے کے لیے اپنے سپاہیوں میں روپیہ پیسہ بانٹا۔ علاؤ الدین نے تخت پر قبضہ کرنے کے لیے ایک خون کیا، لیکن اس قبضے کو برقرار رکھنے کے لیے اس نے جلالی امیروں اور عزیزوں کو ایک ایک کر کے قتل کروا دیا۔ علاؤ الدین خلجی (۱۲۹۶-۱۳۱۶) ایک قابل جرنیل اور طاقتور حکمران تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کو وسیع کیا اور تاتاری حملوں کو روکا۔ اس کے جرنیل ملک کافور نے دکن کو فتح کیا۔ اسے ساری دنیا کو فتح کرنے کی ہوس تھی۔ اس ہوس کی تسکین کے لیے اس نے "سکندر ثانی" کا لقب اختیار کیا۔ اس کی شخصیت کا کا اندازہ اس کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے جو اس نے قاضی کے ایک سوال

کا جواب دیتے ہوئے کہے تھے۔ "مَیں نہیں جانتا کہ جائز کیا ہے اور ناجائز کیا، مَیں وہی کرتا ہوں جو میری سلطنت کے لیے مفید ہوتا ہے۔" اس نے درباریوں اور عالموں کی مشاورت کو نظر انداز کر دیا۔ اس نے اندرونی بغاوتوں کی روک تھام کے لیے شدید قوانین جاری کیے۔ اس نے کھانے پینے کی چیزوں کے نرخ مقرر کر کے مہنگائی کا خاتمہ کر دیا۔ علاؤالدین خلجی کی زندگی کے آخری دنوں میں کئی صوبوں میں بغاوت ہو گئی۔ ان بغاوتوں کے دوران میں وُہ اس دنیا سے چل بسا۔ علاؤالدین خلجی کی موت کے پانچ سال بعد دلی کے تخت پر تغلق خاندان قابض ہو گیا۔ غیاث الدین تغلق اور جلال الدین خلجی میں بہت سی مشابہت ہے۔ تغلق نے تاتاریوں کی روک تھام کے لیے شمال مغربی سرحدوں کو مضبوط کیا۔ اس کے بیٹے جونا خاں نے دکن کے ان صوبوں کو فتح کیا جو باغی ہو چکے تھے۔ جونا خاں کی واپسی پر اس کا باپ بنگال کی مہم سے آ رہا تھا۔ جونا خان نے اپنے باپ کے استقبال کے لیے ایک چبوترہ بنوایا۔ غیاث الدین تغلق کا اس چبوترے تلے دب کر مرجانا جونا خان کے دل میں شک پیدا کرنے کی کافی گنجائش رکھتا تھا۔ علاؤالدین خلجی کی طرح محمد بن تغلق نے اپنی فوج میں روپیہ پیسہ بانٹا۔ محمد تغلق (۱۳۲۵ - ۱۳۵۱) سلاطین دلی کے دَورِ حکومت کی ایک نمایاں اور ممتاز شخصیت ہے، وُہ ایک بہت بڑا عالم، اعلیٰ درجے کا خطاط اور بلند پایہ خطیب تھا۔ منطق، یونانی فلسفہ، ریاضیات اور طبعی علوم میں اسے مہارت حاصل تھی۔ وُہ نماز روزے کا پابند تھا۔ اس کی زندگی بہت پاکیزہ تھی۔ اس نے ملک کے طول و عرض میں ہسپتال اور محتاج خانے کھولے۔ میدان جنگ میں وُہ ایک بہادر سپاہی تھا۔ کم و بیش ایک سو سال سے پنجاب پر تاتاری حملوں کا سلسلہ جاری تھا۔ تاتاری کئی مرتبہ دلی کی دیواروں تک پہنچ چکے تھے، ۱۳۲۷ء میں تاتاریوں نے دلی کے لیے ایک خطرہ پیدا کر دیا۔ محمد تغلق نے تاتاریوں سے دور رہنے کے لیے اپنی راجدھانی کو دیوگری

میں لے جانا چاہا۔ اس نے مرکزی حکومت کے دفاتر کے علاوہ دلّی کی ساری آبادی کو نئی راجدھانی میں لے جانے کا منصوبہ بنایا۔ محمد تغلق نے اپنی نئی راجدھانی کو دولت آباد کا نام دیا۔ دلی اجڑ گئی لیکن دلی کی آبادی دولت آباد تک نہ پہنچ سکی جتنے لوگ وہاں پہنچ سکے انہیں دلی واپس جانے کا حکم دے دیا گیا۔ اس نے اپنی سلطنت کو تاتاریوں کے متواتر حملوں سے بچانے کے لیے ایران اور تاتار کے تاتاری اڈوں پر ہلہ بولنا چاہا لیکن سلطان کو دونوں مہموں میں ناکامی ہوئی۔ سلطان کی نت نئی تجویزوں نے شاہی خزانے کو خالی کر دیا۔ سلطان نے تانبے کی کرنسی چلائی لیکن وہ جعلی کرنسی کی بھرمار کو نہ روک سکا۔ ایک ہم عصر مورخ کے الفاظ میں "ہر گھر ٹکسال بن گیا" صوبوں کا مالیہ بھی تانبے کے "نوٹوں" میں آنے لگا۔ دساوری تجارت تباہ ہو گئی۔ جب تانبے کے ان سکّوں کی مالیت کنکروں کے برابر رہ گئی تو سلطان نے اپنا فرمان واپس لے لیا۔ سلطان کی حکومت کی مشینری اتنی مضبوط نہیں تھی کہ وہ کرنسی کے اس نظام کو کامیابی کے ساتھ چلا سکتی۔ سلطان نے اپنے خالی خزانے کو پُر کرنے کے لیے اس حد تک ٹیکس بڑھا دیے کہ دوآب (گنگا اور جمنا کی سرسبز وادی) کے عوام بھکاری دکھائی دینے لگے۔ جن کسانوں نے بھاگ کر جنگلوں میں پناہ لینا چاہی ان کا جنگلی جانوروں کی طرح شکار کیا گیا۔ کھیتی باڑی تباہ ہو گئی۔ صوبائی گورنر باغی ہونے لگے۔ بنگال، بہار، دیوگری اور گجرات سب نے بغاوت کر دی۔ سلطان نے بغاوتوں کو دبانے کی ناکام کوشش کی۔ بنگال اور دکن، دلی کی سلطنت سے الگ ہو گئے۔ قحط نے سلطان کی مصیبتوں کو بڑھا دیا۔ سلطان نے اس موقع پر ٹیکسوں کو کم کر دیا، لوگوں کی ضرورتوں کے لیے اناج گھر کھلوائے اور کسانوں کو سرکاری قرضے دلوائے۔ وہ سندھ میں ایک باغی سردار کا پیچھا کر رہا تھا کہ موت آن پہنچی اس کی موت کے بعد شاہی فوج کو سندھ کے باغی سرداروں اور تاتاری لٹیروں نے بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔ مصیبت کی ان گھڑیوں میں شاہی فوج کے افسروں نے محمد تغلق کے چچیرے

بھائی فیروز شاہ کو اپنا بادشاہ چنا۔ فیروز تغلق بڑی مشکل سے اپنی فوج سمیت دلی پہنچ سکا۔ فیروز شاہ کی تخت نشینی نے برسوں کے شاہی تشدد کو ختم کر دیا۔ نئے سلطان نے بنگال، دکن اور سندھ کی سیاسی آزادی کو مان لیا۔ اس نے ویران کھیتوں کو آباد کرانے کی طرف توجہ کی ٹیکس کم کر دیئے گئے۔ فیروز تغلق نے آبپاشی کے لیے نہریں کھدوائیں، تعلیم کے لیے سکول اور کالج جاری کرائے۔ کئی ایک پبلک عمارتیں بنوائیں۔ علاؤالدین خلجی نے جاگیرداروں سے زمینیں چھین کر انہیں تنخواہ دار ملازموں میں تبدیل کر دیا تھا لیکن فیروز تغلق نے جاگیرداروں کو پھر سے زمینوں پر مسلط کر دیا۔ فیروز تغلق کی موت کے بعد اس کے بیٹوں اور پوتوں میں تخت کے لیے کش مکش ہوتی رہی۔ اس کش مکش نے صوبائی گورنروں کو آزاد ہونے کا موقعہ دے دیا۔ مرکزی حکومت کے رہے سہے اقتدار کو تیمور کے حملے نے ختم کر دیا۔ خاندیش، مالوہ، گجرات اور جونپور، مرکزی حکومت سے کٹ گئے۔ تیمور کی واپسی کے بعد دلی کے تخت کے لیے پھر کش مکش ہونے لگی۔ محمود تغلق کی موت (۱۴۱۴) کے بعد ملتان کے تیموری گورنر خضر خان نے دلی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ خضر خان اور اس کے تین جانشین ۳۶ سال تک حکمران رہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ خاندان سید خاندان کہلاتا ہے اس خاندان کے حکمران اپنے آپ کو تیمور کا نائب کہلاتے تھے اس خاندان کی حکومت دلی اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر مشتمل تھی۔ سید خاندان کا آخری حکمران ایک افغان سردار بہلول لودھی کے حق میں دلی کے تخت سے دستبردار ہو گیا۔ لودھی خاندان (۱۴۱۵-۱۵۲۶) کے بانی بہلول نے پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے اس کی حدود کو بڑھایا۔ اس نے چھبیس سال کی طویل لڑائی کے بعد جونپور پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت کو بنارس تک پھیلا دیا۔ بہلول کے جانشین سکندر لودھی (۱۴۸۹-۱۵۱۷) نے بہار اور گوالیار کو فتح کیا۔ سکندر لودھی نے آگرہ کو اپنی راجدھانی بنایا۔ ابراہیم لودھی کے عہد حکومت میں دلی کی سلطنت

میں بغاوتوں کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا۔ پنجاب کے گورنر دولت خان لودھی نے کابل کے بادشاہ بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ بابر نے ۱۵۲۶ء میں پانی پت کی لڑائی میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ہندوستان میں ایک نئے حکمران خاندان کی بنیاد رکھی۔

علما کا اقتدار

سلاطین دلی سیاسی لحاظ سے مستبد حکمران تھے۔ دینی امور میں ان کے اختیارات پر بہت سی پابندیاں تھیں اس دَور میں دینی علما کو بہت اقتدار حاصل تھا۔ علاؤالدین خلجی نے نظم و نسق میں علما کی مداخلت کو برداشت نہ کیا۔ اس نے حاکمیت کے نظریہ کو ان الفاظ میں پیش کیا "جس طرح علما روحانی امور میں خدا کے نائب ہیں اسی طرح بادشاہ دنیاوی امور میں خدا کا نائب ہے"۔ علاؤالدین خلجی نے مذہب اور سیاست کو الگ الگ کر دیا۔ بہرحال اس دَور میں علما کا اثر و رسوخ بہت زیادہ تھا۔ بادشاہ کا انتخاب امرا کے ہاتھ میں تھا۔ سلاطین دلی تک عوام کی رسائی مشکل نہیں تھی۔ سلطان اپنے دربار میں اپنی حکومت کے مختلف شعبوں کے افسروں سے گھنٹوں بات چیت کرتے۔ اس کام میں وزیر ان کا ہاتھ بٹاتے۔ صوبائی گورنروں کو بہت زیادہ آزادی حاصل تھی۔ بعض حالتوں میں صوبائی حکومت بھی وراثت میں مل جاتی تھی۔ صوبائی گورنروں کا کام اپنے صوبوں کی سرحدوں کی حفاظت اور مرکزی خزانے میں مالیہ داخل کرنا ہوتا تھا۔ جب تک کوئی گورنر یہ فرائض ادا کرتا رہتا اسے اپنے صوبے میں حاکمیت کے اختیار حاصل رہتے۔ یہی اختیار مرکز کے خلاف کئی بار بغاوت پر آمادہ ہو جاتا تھا۔

داخلی امن و امان کے لیے بلبن کی کوششوں نے کھیتی باڑی اور بیوپار کو بہت فروغ دیا۔ علاؤالدین خلجی نے آتے دن کی بغاوتوں کی ذمہ داری جاگیرداروں پر ڈالتے ہوئے ان کی جاگیروں کو بحق سرکار ضبط کر لیا۔ علاؤالدین خلجی نے دوآب کے کسانوں سے کے

حاصل پر پچاس پی صدی ٹیکس لگا کر ان کی معاشی حالت کو خراب کر دیا۔ یہ خرابی بہت زیادہ نقصان دینے والی ثابت ہوتی اگر علاؤ الدین خلجی اشیا کے نرخ مقرر کر کے ضروریاتِ زندگی کو عوام تک آسانی سے نہ پہنچا دیتا۔ قحط کے دنوں میں سرکاری گوداموں سے سستے داموں غلہ فروخت کیا جاتا تھا۔ علاؤ الدین خلجی کی موت کے ساتھ ہی اس کا معاشی سسٹم ختم ہو گیا۔ دکان دار منہ مانگی قیمت لینے لگے۔ ارزانی غائب ہو گئی۔ محمد تغلق کے مالیاتی سسٹم کو بھی ناکام ہونا پڑا۔ محمد تغلق نے صنعتی ترقی کے لیے بھی بہت کوشش کی۔ ریشم کے ایک سرکاری کارخانے میں چار سو کاریگر کام کرتے تھے۔ تاتاریوں کی یورش نے ایشیا کے کئی ایک ملکوں کی صنعت و تجارت کو برباد کر دیا تھا چنانچہ تیرھویں اور چودھویں صدی میں ہندوستان کے حالات دساوری تجارت کے لیے بہت مفید تھے۔ اس دَور کے غیر ملکی سیاح ہندوستان کی تجارتی اور کاروباری سرگرمیوں کا ذکر اچھے لفظوں میں کیا کرتے تھے۔

سلاطین دلی کے دَورِ حکومت میں تعمیرات نے نمایاں ترقی کی۔ اس دَور کے سلاطین نے عمارتوں پر دل کھول کر روپیہ پیسہ خرچ کیا۔ اس دَور کی عمارتوں میں ہندوستانی فن تعمیر کا بہت ہلکا اثر دکھائی دیتا ہے۔ ان عمارتوں پر اسلامی تعمیرات کا اثر اتنا غالب ہے کہ ہندوستانی فن تعمیر کا اثر بعض حالات میں کوئی اثر نہیں رکھتا۔ ایبک اور التمش کے عہد میں قطب مینار کے علاوہ دلی، اجمیر اور بدایوں میں کئی ایک مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ قطب مینار دو سو بیالیس فٹ اونچا ہے۔ تعمیرات کی تاریخ میں اس کا شمار نوادر میں سے ہے۔ اگرچہ علاؤ الدین خلجی کا بہت سا وقت لڑائیوں میں صرف ہوا لیکن اس پر بھی اس نے کئی ایک قلعے، تالاب اور محل بنوائے۔ قلعہ سری، ہزار ستون، علائی دروازہ اور حوض خاص اسی خلجی سلطان کے دَور کی یادگار ہیں۔ تاتاریوں کے متواتر حملوں کی وجہ سے سلطنت کو دفاعی سرگرمیوں پر بہت کچھ صرف کرنا پڑتا تھا پھر بھی فیروز تغلق

کے عہد میں شہروں، مسجدوں، محلوں، تالابوں اور باغوں پر بہت کچھ صرف کیا گیا۔ فیروز آباد، فتح آباد اور حصار فیروزہ اسی کے بسائے ہوئے شہر ہیں۔ محمد تغلق کے نام پر فیروز تغلق نے گومتی کے کنارے جون پور کی بنیاد رکھی۔ فیروز تغلق کی موت کے بعد سلطنت کے جن صوبوں نے مرکز سے آزادی حاصل کر لی تھی۔ وہاں تعمیرات اور دوسرے فنون کو ترقی کرنے کا موقعہ مل گیا۔ جون پور، گجرات اور مالوہ نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

سلطنتِ دلی کے مختلف صوبوں کی زبانوں کے ادب سے قطع نظر اس دَور کی درباری زبان فارسی میں کئی ایک باکمال شاعر اور مؤرخ پیدا ہوئے۔ اس دَور کا ممتاز ترین شاعر امیر خسرو فارسی اور ہندی دونوں پر عبور رکھتا تھا۔ اس دَور کے فارسی مؤرخوں میں منہاج سراج (طبقاتِ ناصری) ضیاء الدین برنی (تاریخ فیروز شاہی) سراج عفیف (تاریخ فیروز شاہی) اور یحییٰ بن عبداللہ (تاریخ مبارک شاہی) بہت مشہور ہیں۔ شعر اور تاریخ کے علاوہ ادب فلسفہ اور دینیات پر بھی فارسی میں بہت کچھ لکھا گیا۔ اس دَور میں سنسکرت کی چند کتابوں کو فارسی میں منتقل کیا گیا۔

سلطنتِ دلی کے قیام نے ہندوستان کے لوگوں کو مذہبی اور مجلسی طور پر متاثر کیا۔ اسلام کا عقیدۂ توحید ہندوستان کے مختلف حصوں کے سوچ بچار اور اصلاحی کام کرنے والوں کو متاثر کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اسلام کی تعلیمات کے زیر اثر ہندوستان کے عوام میں بھگتی کی تحریک کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ رامانج، رامانند، ولبھ اچاریہ، چیتنیا، نام دیو، کبیر، نانک اور حسین شاہ اس تحریک کے علم بردار تھے۔ ازمنۂ وسطیٰ کے ہندوستان کے فاتحین کی زبان ترکی اور فارسی تھی۔ شمالی ہندوستان میں جب فارسی اور دیسی زبانوں کا ملاپ ہوا تو اس سے ایک نئی زبان پیدا ہوئی۔ یہ کتاب اسی زبان میں لکھی گئی ہے۔

محمد تغلق کی موت کے بعد بنگال، دکن، اور سندھ دلی کی مرکزی حکومت سے آزاد ہو چکے تھے۔ فیروز تغلق نے ان علاقوں پر دوبارہ قبضہ کرنے کی ناکام جدوجہد کی۔ فیروز نے فوجی سرداروں اور امیروں کو بڑی بڑی جاگیریں دے کر سلطنت دلی کے اقتدار کو کافی نقصان پہنچایا۔ فیروز تغلق کے نالائق جانشینوں نے اس نقصان کو اور بڑھا دیا۔ سلطنت دلی کی گرتی ہوئی دیوار کو تیمور کے حملے نے زمین کے ساتھ ملا دیا۔

پندرھواں باب

تیمور

تیمور کو معمولی سی ریاست بھی وراثت میں نہیں ملی تھی لیکن اس نے ایک بہت بڑی سلطنت اور ایک اہم حکمران خاندان کی بنا ڈالی۔ وہ اپنے دارالحکومت سے اٹھارہ سو میل دُور تاتاریوں کی شاخ "زرین لشکر" کے بادشاہ سے لڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ دلی کی سلطنت اس کے حملے کی تاب نہیں لا سکتی۔ وہ انگورہ (انقرہ) میں بایزید سے ٹکراتا ہے۔ اس کی سلطنت کو پار کرنے کے لیے قافلوں اور مسافروں کو دو ہزار میل کا سفر کرنا پڑتا۔ تیمور نے عثمانیوں کی فتوحات کو تھوڑی دیر کے لیے روک دیا۔ اس نے دلی کی سلطنت کو کمزور کر کے اپنے خاندان کے ایک تقدیر آزما کے لیے ایک نئی سلطنت کی راہ پیدا کی۔ اس نے "زرین لشکر" کو شکست دے کر روسیوں کو موقعہ دیا کہ وہ تاتاری اقتدار سے آزادی حاصل کر لیں۔ ہم تیمور میں وہ تمام خوبیاں اور خامیاں پاتے ہیں جو اس پایہ کے کسی فاتح میں ہو سکتی ہیں۔ اس کا حکمِ قتل اور اذنِ عفو اس کی ذہنی کیفیت کا نتیجہ ہوتے۔ اس کے مظالم اور انعام اس کی مرضی کے تابع تھے۔ سمرقند کے جنوب میں صدیوں سے برلاس قبائل آباد تھے۔ یہ قبائل چغتائی خاندان کے حکمران کے تابع تھے۔ تیمور کا باپ برلاس کے ایک قبیلے کا سردار تھا —— جب تیمور جوان ہوا تو اسے صحرائی قبائلی لڑائیوں میں حصّہ لینا پڑا۔ دس سال کے متواتر معرکوں کے بعد ۱۳۶۹ میں تیمور نے سمرقند کو اپنی راجدھانی بنانا چاہا۔ تیموری دربار کو سمرقند میں لے جانے سے پہلے تیمور کے حکم

سے شہر کو آراستہ کیا گیا۔ کئی ایک نئی عمارتیں کھڑی کی گئیں۔ شہر کے بڑے بڑے دروازوں سے مرکزی بازار تک پکی سڑکیں بنائی گئیں۔ ہرات سے آتے ہوتے یا لاتے ہوئے کاریگروں، معماروں اور انجنیئروں نے تیمور کی راجدھانی کی رونق بڑھا دی۔ تیمور نہ صرف سمرقند کا مالک تھا بلکہ اس کی سلطنت پانچسو میل کی لمبائی پر پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اپنی سلطنت کو چاروں طرف بڑھانے کی فکر میں تھا۔ اس کے سامنے تاتاریوں کی تاریخ کے اوراق بکھرے پڑے تھے۔ اس کے ذہن میں چنگیز خان کی فتوحات کا پورا پورا نقشہ تھا۔ عالمگیر فتوحات کی تیاری میں "طلائی لشکر" ایران، ہندوستان اور چین ایک ایک کر کے اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے۔ اسی اثنا میں طلائی لشکر کے تاتاری خان کا ایک قریبی شہزادہ جو کریمیا کا حاکم تھا۔ تیموری دربار میں پناہ لینے کے لیے آتا ہے۔ سرائے کے تاتاری خان سے لڑنے کا بہترین موقعہ ہاتھ آ گیا۔

خان نے تیمور کے دربار میں ایک ایلچی بھیج کر شہزادہ توکتا میش کو واپس بھیج دینے کا مطالبہ کیا۔ تیمور نے خان کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ سمرقند کے تیمور اور سرائے کے خان میں لڑائی یقینی ہو گئی۔ توکتا میش نے تیمور کی مدد سے دو مرتبہ خان کی سلطنت میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن ہر بار طلائی لشکر سے شکست کھائی۔ اردس خان کے مرنے کے بعد توکتا میش سرائے کے تخت کا دعوے دار بن گیا۔ چنگیز کے سب سے بڑے بیٹے جوچی نے جنوبی روس کا بہت سا علاقہ فتح کیا تھا۔ چونکہ اس کے بیٹے باتو نے اپنے خیمے پر سنہری کپڑے ڈال کر اپنی شوکت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس لیے تاتاریوں کی یہ شاخ "سنہری لشکر" کہلاتی ہے۔ تیمور کے زمانے میں چین اور ایران کے تاتاری اپنی بدوی عادات ترک کر چکے تھے۔ لیکن سنہری لشکر کے تاتاریوں کو جنوبی روس کے میدانوں نے روایتی بدویت میں جکڑے رکھا۔ سنہری لشکر کے خان کی راجدھانی سرائے میں تھی۔ توکتا میش

اسی سرائے کے تخت کا دعوے دار تھا۔ سنہری لشکر کے تاتاری اس زمانے کے روسیوں سے مہذب تھے۔ روسی شہزادے خانِ سرائے کو خراج اور تحائف بھیجتے۔ ماسکو کے روسی شہزادے دمتری نے سنہری لشکر کی یلغار کو روک کر ماسکو کی چھوٹی ریاست کے مستقبل کو تبدیل کر دیا۔ سرائے کے تاتاری، تعلیم اور تہذیب میں ماسکو کے باشندوں سے بہت آگے تھے۔ مشرقی یورپ کا سیاسی توازن سرائے کے تاتاریوں کے ہاتھ میں تھا۔ تیمور کی مدد سے توکتامیش آندھی کی طرح بڑھا اور والگا کے کنارے پہنچ کر سرائے پر قابض ہو گیا۔ سنہری لشکر کا خان بننے کے بعد توکتامیش نے روسی شہزادوں سے خراج مانگا۔ دمتری کی قیادت میں، دو سال پہلے یہ شہزادے خانِ سرائے کو شکست دے چکے تھے۔ وہ توکتامیش کو خاطر میں نہ لائے۔ شہروں اور قصبوں کو جلاتا ہوا سنہری لشکر آگے بڑھا۔ ماسکو اس لشکر کو نہ روک سکا۔ ماسکو میں لوٹ مار مچانے کے بعد توکتامیش سرائے پہنچ گیا۔ روسی شہزادے خراج دینے لگے۔

توکتامیش نے اس بات کو بہت جلد ہی بھلا دیا کہ اس کی کامیابی میں تیمور کا ہاتھ تھا۔ اس نے کسی وجہ کے بغیر تیموری سلطنت پر حملہ کر دیا۔ جب توکتامیش اپنے لشکر سمیت سمرقند کے قریب پہنچا تو اس وقت تیمور بحیرۂ خزر کے کنارے پر لڑنے میں مصروف تھا۔ تیمور کو سمرقند پر توکتامیش کی یلغار کی اطلاع دی گئی۔ تیمور، حملہ آور سے پہلے سمرقند جا پہنچا۔ توکتامیش جس تیزی سے آیا تھا۔ اس تیزی سے جنوبی روس کے میدانوں کی طرف بھاگ نکلا۔ تیمور نے اس کا پیچھا کیا۔ وہ توکتامیش سلطنت کے مرکز میں پہنچ کر توکتامیش سے لڑنا چاہتا تھا۔ اس اقدام میں تیمور نے اپنی سلطنت کو داؤ پر لگا دیا۔ اٹھارہ ہفتوں میں اٹھارہ سو میل طے کرنے کے بعد تیمور کا توکتامیش کی فوج سے سامنا ہوا۔ دنیا کی سب سے بڑی دو گھڑسوار فوجوں کی اس لڑائی میں تیمور کی عسکری قابلیت نے توکتامیش کو بھگا دیا۔ تیموری فوج نے والگا کے دونوں طرف کی بستیوں کو خوب لوٹا۔ لوٹ مار

کے بعد تیمور نے والگا کے کنارے سات دن عیش و عشرت میں بسر کیے۔ آٹھویں دن تیمور نے سمرقند کی راہ لی۔

تیمور کے واپس ہوتے ہی توکتامیش پھر سنہری لشکر کا سردار اور سرائے کا خان تھا۔ تین سال بعد تیمور اور توکتامیش میں جو لڑائی ہوئی اس میں تیمور نے بڑی مشکل سے جان بچائی۔ تیمور نے "سنہری لشکر" کے اقتدار کو ختم کر دیا۔ توکتامیش شمالی جنگلوں میں بھاگ نکلا۔ سنہری لشکر کے بہت سے قبائل کریمیا، ایڈریانوپل اور ہنگری کی طرف چل دیے۔ چند قبائل تیمور کے ساتھ شامل ہو گئے۔ تیمور نے سرائے کی ساری آبادی کو سردی میں مرنے کے لیے شہر سے باہر نکال دیا۔ شہر کی چوبی عمارتیں چند گھنٹوں میں راکھ کا ڈھیر بن گئیں۔ استرخان اور اس کے باشندوں پر بھی یہی بیتی۔ تیموری لشکری ڈان کے کناروں کے ساتھ کوچ کرنے لگا۔ ماسکو نے خطرہ محسوس کیا۔ تیمور کے نزدیک ماسکو ایک سرراہ بستی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہوگا۔ ڈان کے کناروں سے تیمور واپس ہوا۔ واپسی پر اس نے جوچی کے جانشینوں کی سلطنت کے کھنڈروں کو دیکھا۔

تیمور اگرچہ موت کے منہ سے بچ نکلا تھا۔ لیکن موت اس کے دو بیٹوں کو اس سے چھین چکی تھی۔ جہانگیر بہت پہلے مر چکا تھا۔ جب اس کے دوسرے بیٹے عمر شیخ کے مرنے کی اُسے اطلاع ملی تو تیمور نے کہا "خدا نے دیا تھا اس نے لے لیا" ان الفاظ کے بعد اس نے اپنی فوج کو سمرقند کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ کیا یہ ہزاروں باپوں کے لاکھوں بیٹوں کے قاتل پر اپنے بیٹے کی موت کا اثر تو نہیں تھا؟ سمرقند پہنچ کر تیمور نے اپنے بیٹے جہانگیر کے مقبرے کو بڑھا کر عمر شیخ کو وہیں دفن کیا۔ تیمور کی ہوس ملک گیری ابھی باقی تھی۔

شاہ ایران کی موت کے بعد اس کے دس بیٹوں نے بادشاہت کی الگ الگ

دکانیں کھول لیں۔ تیمور اور ایران کے تعلقات اگرچہ دوستانہ تھے لیکن تیمور ایران کی سیاسی صورت حالات سے فائدہ اٹھاتے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ۱۳۸۶ میں تیمور نے ایران پر ہلہ بول دیا۔ اصفہان کی رونق خاک میں مل گئی شیراز اور دوسرے شہروں نے تیمور کی اطاعت کر لی۔ دو سال بعد تیمور وسطی ایشیا اور ایران کا مالک تھا۔ سمرقند میں تاتاریوں کا خان ایک محل میں زندگی بسر کرنے کے لیے زندہ چھوڑ دیا گیا تھا خان کی موجودگی میں تیمور "امیر تیمور گورگان" سے بڑا لقب اختیار نہ کر سکا۔ تیمور کی واپسی پر ایرانی شہزادوں میں پھر لڑائی ہونے لگی۔ شاہ منصور نے اصفہان اور شیراز پر قبضہ کر لیا۔ اس نے تیمور کے پہلے حملے میں اس کی اطاعت نہیں کی تھی۔ شاہ منصور کے سیاسی اقتدار کو تیمور نے اپنے خلاف بغاوت خیال کیا۔ ایران پر اس یلغار میں تیمور کو شیخ الجبال سے بھی لڑنا پڑا۔ شاہ منصور نے بڑی بہادری سے حملہ آور کا مقابلہ کیا۔ منصور نے دو مرتبہ تیمور پر وار کیا، لیکن تیمور بچ نکلا۔ ایک تیموری سپاہی نے آگے بڑھ کر شاہ منصور کا سر کاٹ لیا۔ شاہ رُخ نے اسے تیمور کے گھوڑے کے قدموں میں ڈال دیا۔ ایران تیمور کی جیب میں تھا۔ شیراز اور اصفہان کے سوداگروں، فاضلوں اور کاریگروں کو سمرقند کی رونق بڑھانے کے لیے تیمور کی راجدھانی میں پہنچا دیا گیا۔

تیمور کی یلغاروں نے مصر اور بغداد کے سلاطین کو اس کے خلاف متحدہ محاذ بنانے پر مجبور کر دیا۔ عثمانی سلطان یورپ کی فتوحات میں اس قدر مصروف تھا کہ وہ اتحاد میں شامل نہ ہو سکا۔ جب تیمور کو سلطان بغداد کی فوجی تیاریوں کی خبر ملی تو اس نے بغداد پر چڑھائی کر دی۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان احمد دجلہ پار چلا گیا۔ تیموری سپاہیوں نے اس کا پیچھا کیا۔ سلطان دمشق میں داخل ہو چکا تھا۔ بغداد سے تاوان وصول کرنے کے بعد تیمور نے دمشق کی طرف کوچ کیا۔ تیموری فوج بغداد کے سارے نجومیوں اور معماروں کو اپنے ساتھ لے گئی۔ سلطان احمد دمشق ہوتا ہوا قاہرہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ تیمور نے

سلطان مصر کو ایک خط لکھا۔ سلطان نے تیموری ایلچیوں کو قتل کروادیا۔ تیموری تباہ کاری کو دعوت دی جا چکی تھی، لیکن تیمور نے اچانک سمرقند کی راہ لی۔ دس سال تک تیمور اپنی راجدھانی کی رونق بڑھانے میں مصروف رہا۔ ہندوستان پر حملہ کیلئے تاتاری فوج تیار ہو گئی۔ ہندوکش پار کر لیا گیا۔ خیبر کی راہ سے تیمور ہندوستان میں داخل ہوا (۱۳۹۸) دلی کے سلطان کو شکست ہوئی۔ تاتاریوں نے دلی کو دل کھول کر لوٹا۔ پھر وہی سمرقند! آٹھویں بار تیمور اپنی راجدھانی میں فاتحانہ انداز سے داخل ہو رہا ہے۔ ہندوستان کی فتح کی یادگار میں تیمور نے سمرقند میں ایک بہت بڑی مسجد بنوائی۔ سمرقند میں یار لوگ یہ افواہ اڑانے میں حق بجانب تھے کہ چونسٹھ سال کا تیمور اپنی باقی زندگی سمرقند کے محلوں اور باغوں میں گزار دے گا۔

تیمور کے مقرر کیے ہوئے حاکموں کو ایشیائے کوچک سے نکالا جا رہا تھا۔ سلطان احمد نے مصر کے مملوکوں کی مدد سے بغداد پر پھر قبضہ کر لیا تھا۔ تیمور تین مہینوں سے زیادہ سمرقند میں نہ رہ سکا۔ ۱۳۹۹ میں تیمور اپنے لشکر سمیت مغربی ایشیا کی طرف چل دیا۔ تبریز کو اپنا فوجی اڈہ بنانے کے بعد تیمور آگے بڑھا۔ جارجیا کو پامال کرنے کے بعد تیمور نے ایشیائے کوچک کی راہ لی سیواس تک کے سارے شہروں پر اس نے قبضہ کر لیا۔ ایشیائے کوچک میں آگے بڑھنے کی جگہ وہ جنوب کی طرف مڑا اور شام میں داخل ہو گیا۔ تیمور نے جنوری ۱۴۰۱ء میں حلب کو فتح کرنے کے بعد دمشق کو آگ لگا دی۔ دمشق کی ایک مسجد کے گنبد نے تیمور کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ اس کے حکم سے اس گنبد کا خاکہ اتارا گیا۔ تیمور نے سمرقند کی عمارتوں کو دمشقی طرز کے اس گنبد سے آراستہ کیا۔ تیمور کے جانشین اس گنبد کو ہندوستان میں لے گئے۔ تاج محل کا گنبد دمشقی گنبد کا چربہ ہے۔ روس کے گرجوں پر بھی اسی قسم کا گنبد دکھائی دیتا ہے۔ دمشق سے تیمور واپس ہوا۔ بغداد تباہ کر دیا گیا۔ اسی اثنا میں تیمور اور بایزید میں تلخ خط وکتابت ہو چکی تھی۔ بایزید اپنے ترکوں کے ساتھ اور تیمور اپنے تاتاریوں کے ہمراہ ایشیائے کوچک میں

بڑھا۔ انگورہ (انقرہ) میں تاتاریوں اور ترکوں میں تصادم ہُوا۔ بایزید شکست کھاکر گرفتار ہُوا۔ یورپ کا فاتح، ایشیا کے فاتح کا مقابلہ نہ کر سکا۔ شکست خوردہ بایزید کا رنج بڑھانے کے لیے تیمور نے جشن کے موقعہ پر بایزید کو اپنے پہلو میں جگہ دی۔ بایزید کے اپنے حرم کی عورتیں نیم برہنہ حالت میں تاتاری جرنیلوں کو شراب کے پیالے پیش کر رہی تھیں۔ بایزید آنکھیں جھکاتے بیٹھا تھا۔ جب اس کا سر فرطِ رنج تلے دبنے لگا تو اس نے آنکھیں اٹھائیں۔ اس کی سب سے محبوب بیوی ڈسپینا ساقی گری کر رہی تھی۔ بایزید اُٹھا۔ دروازے کی طرف اشارہ کیا اور چل دیا۔ تیمور نے ڈسپینا کو بایزید کے حوالے کر دیا۔ عثمانی فوج نے بھاگ کر یورپ میں پناہ لی۔ جب تیمور نے عثمانی فوج کا پیچھا کرنے کے لیے قسطنطنیہ کے بازنطینی شہنشاہ سے اس کا سمندری بیڑہ مانگا تو اس نے انکار کر دیا۔ ایک تاتاری بھی یورپ کے ساحل تک نہ پہنچ سکا۔ حالانکہ ایشیائے کوچک میں ایک عثمانی سپاہی بھی نہیں رہا تھا۔ تیمور، یورپ کے دروازے پر کھڑا سوچ رہا تھا۔

انگلستان کے ہنری چہارم نے تیمور کو مبارک باد بھیجی۔ فرانس کے چارلس ششم نے اسے تحائف پیش کیے کسٹائل کے ہنری سوم نے تیمور کے دربار میں ایلچی بھیجے تیمور جس تیزی سے آیا تھا۔ اسی تیزی سے سمرقند جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اب اس کے دربار میں بیس حکومتوں کے سفیر تھے۔ گوبی کے سفیر سے وُہ چین کے حالات سنتا۔ وُہ اپنے آباؤاجداد کے صحرائی مسکن کو پار کر کے چین پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ دو لاکھ سپاہی دیوارِ چین کو توڑنے کے لیے نکل پڑے۔ تھوڑی ہی دُور جانے کے بعد تیمور رُک گیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سمرقند کے بڑے بڑے گنبد اور اونچے اونچے مینار آنکھ سے اوجھل ہو چکے تھے۔ سرد ہوائیں تند اور تیز ہو رہی تھیں۔ سردی بڑھ رہی تھی برف گرنے لگی۔ چاروں طرف سفیدی ہی سفیدی۔ سپاہی اور گھوڑے مرنے لگے۔ لیکن تیمور بڑھتا چلا گیا۔ وُہ اترار میں خیمہ زن ہُوا۔ تاکہ بہار کا موسم شروع ہوتے ہی وُہ

اپنا کوچ جاری کر سکے۔ تیمور کا فوجی کوچ اگرچہ باقی تھا، لیکن اس کا اپنا سفر ختم ہو چکا تھا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ شاہ رُخ کو دوبارہ دیکھ سکوں لیکن۔ یہ ناممکن ہے تیمور کے آخری الفاظ تھے۔ مرنے سے پہلے اس نے جہانگیر کے بیٹے پیر محمد کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ شاہ رُخ خراسان میں اور پیر محمد ہندوستان میں تھا۔ تیمور کی وصیت کے مطابق فوج دیوار چین کی طرف بڑھنا چاہتی تھی کہ تیمور کی جانشینی پر تیموری جرنیلوں میں اختلاف ہونے لگا۔ تیمور کی موت کے ساتھ ہی اس کی سلطنت بھی ختم ہو گئی۔ عثمانی ترک اگرچہ تیمور کے ہاتھوں شکست کھا چکے تھے لیکن وہ جلد سنبھل گئے۔

اسلامی تاریخ و تہذیب

باری علیگ مرحوم

مکتبۂ کارواں

کچہری روڈ ○ لاہور